1470

ज्ञान भण्डार
(प्रथम भाग)



اخلاقی اور سبق آموز کہانیاں

حصّۂ اوّل

معروف بہ

گیان بھنڈار

از

نارائن

مصنّف نارائن رام چرتر ۔ نارائن رام کُٹی
کرشن چرتر ۔ وغیرہ وغیرہ

سرکاری اور امدادی سکولوں کے طلبا کے
فائدے کے لئے

جس کو

لالہ بسنت رام پال مالک بھارت ہوس لاہور

نے

سنہ ۱۹۱۸ع



مفید عام پریس لاہور میں با

حساب کی نئی کتاب

مُصنّفۂ

لالہ بہاری لال صاحب ریاضی ٹیچر پارمل اسکول لاہور

و

لالہ مہرچند صاحب بی اے (آنرز) پروفیسر ریاضی

فورمن کرسچن کالج لاہور

برائے

تھرڈ مڈل کلاس اینگلو ورنیکلر

جس کو

ٹیکسٹ بک کمیٹی میں

برائے منظوری جناب ڈائرکٹر صاحب بہادر سررشتہ تعلیم بھیجا ہوا ہے

چھپ کر تیار ہے ۔ المشتہر بھارت ہوتشن لاہور

دیباچہ

رُوسی دیش بھگت اور فلاسفر مہاتما کوئنٹ ٹالسٹائی دُنیا کے اُن چند پاکیزہ اور عالم باعمل بزرگوں میں سے ہیں۔ جن پر انسانیت کو ہمیشہ ناز رہیگا۔ آپ نے باوجود ایک خاندانی نواب ہونے کے اپنے پاکیزہ خیالات کی پیروی میں ایک درویشانہ زندگی بسر کی ہے۔ جس کے لئے اگر آپ کو زمانہ حال کا مہاراجہ جنک کہا جائے۔ تو کچھ ناموزوں نہ ہوگا اس پاکیزہ زندگی کی بدولت آپ کے خیالات میں جو بلند پروازی اور روشن ضمیری پیدا ہوئی ہے۔ اس کی جھلک ان کہانیوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ جو ناظرین کی دلچسپی کے لئے شائع کی گئی ہیں۔ ان کہانیوں کے پڑھنے والوں کو اگر بھارت کی ویدانت فلاسفی سے کچھ بھی واقفیت ہوگی۔ تو وہ یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکینگے۔ کہ مہاتما کاؤنٹ ٹالسٹائی ایک پکّے ویدانتی تھے۔ اور اُنہوں نے اِن کہانیوں کی شکل میں دُنیا کو ویدانت کی تعلیم دی ہے ×

مہاتما ٹالسٹائی عالمگیر انسانی اخوت اور آزادی کے ایک زبردست حامی تھے۔ آپ کو اگر رُوس میں آزادی پسند اور جمہوری خیالات کا جنم داتا کہا جائے۔ تو کچھ بیجا نہ ہوگا۔ آپ انسانی مظالم اور مصائب کو خواہ وُہ دُنیا کے کسی حصّہ کے انسانوں پر کیوں نہ نازل ہوتے ہوں نہایت سختی کے ساتھ محسُوس کرتے تھے۔ اور ان کے شکاروں سے ہر ممکن طریقے پر ہمدردی ظاہر کرکے ان کی مصیبتوں کو دُور کرنے کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ آپ نے اسی خیال سے اپنے تمام خاندانی ورثہ کو مظلُوموں کی امداد کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اور خود نہایت سادہ اور محنت و مشقّت کی زندگی

بسر کرتے رہے۔ آپ کے خیال میں مالدار ہو کر سستی اور کاہلی کی زندگی بسر کرنا سخت گناہ تھا۔ آپ مساوات انسانی کے خیال کے ایک عالم با عمل بزرگ تھے۔ اور یہی باعث تھا کہ رُوس میں آپ کی ہر دلعزیزی ایسی بڑھی ہوئی تھی۔ کہ زار رُوس تک۔ آپ کی تعلیم کو ناپسند کرنے کے باوجود بھی۔ آپ کے خلاف کسی قسم کی کارروائی کرنا خلاف مصلحت خیال کرتا تھا؛

آپ کی یہ کہانیاں جن میں سے چند ہم آئندہ صفحات میں ناظرین کی نذر کرتے ہیں۔ دُنیا بھر میں ایسی مقبول ہوئی ہیں۔ کہ شاید ہی مہذب دُنیا کی کوئی ایسی زبان ہو۔ جس میں ان کا ترجمہ نہ ہُوا ہو۔ اُردو خواں ناظرین کی سہولیت اور آسانی کے لئے ان کہانیوں میں غیر مانُوس رُوسی ناموں کی بجائے راقم نے ہندی نام رکھ دئے ہیں۔ اگرچہ ان کہانیوں کو آسان اور عام فہم بنانے کے لئے عبارت میں کہیں کمی بیشی کی ضرورت لاحق ہوئی ہے۔ مگر ایسا کرتے ہُوئے اس امر کا بھی خاص لحاظ رکھا گیا ہے۔ کہ کسی کہانی کے نفس مضمون میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہ ہو اور اصل مصنّف کا منشا قائم رہے؛

مجھے امید ہے۔ کہ جن اصحاب نے اِن کہانیوں کو اخبارات کے منتشر اوراق میں ملاحظہ فرمایا ہے۔ وہ اس مجمُوعہ کا مطالعہ کرکے قند مکرر کا مزہ حاصل کرینگے؛

"نارائن"

1 Philosophy = Knowledge of ultimate reality or most general causes & principal of things
Philosopher = A lover of that Knowledge.

نادر اور سبق آموز کہانیاں

حصۂ اوّل

موسومہ بہ

گیان بھنڈار

یعنی

روسی درویش بھگت اور فلاسفر مہاتما کاؤنٹ ٹالسٹائی کی مقبول عام کہانیاں

پہلی کہانی

پریم مورت پرماتما کے درشن

(۱)

ہمالہ کی ترائی میں سڑک کے کنارے پر رام نگر نامی ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ اس گاؤں میں ایک دکاندار رہتا تھا۔ جس کا نام پریم چند تھا۔ اس کی دکان بر لب سڑک ہی تھی۔ اس دکان میں وہ گاؤں کے باشندوں کی خانہ داری کے ضروری ساز و سامان کے علاوہ مسافروں کے لئے آٹا۔ دال۔ بھنے ہوئے چنے۔ تیل کے پکوڑے۔ دودھ دہی وغیرہ بھی رکھتا تھا۔ وہاں رہتے ہوئے اسے ایک عرصہ گزر چکا تھا۔ اس لئے اس کو ان دیہات کے سب باشندے جان گئے تھے۔ اور

اُس کا اس چھوٹی سی دُکان سے ہی خاصہ گزارہ ہو جاتا تھا ۔
پرِتم چند بڑا نیک چلن ۔ راستباز ۔ بیوہار کا کھرا ۔ وعدہ
کا پکّا ۔ ہنس مُکھ اور ملنسار آدمی تھا ۔ اسی لیئے ہر دلعزیز
تھا ۔ استری تو بیچارے کی جوانی میں ہی مر چُکی تھی ۔ ایک
لڑکا تھا ۔ جسے اُس نے اِس کی ماں کے مرنے کے بعد بڑے
پریم اور پربتی سے پالا تھا ۔ اور جس کو اُس نے اپنی
تمام امیدوں کا سہارا بنا رکھا تھا ۔ مگر افسوس کہ بُڑھاپے
میں وہ بھی اسے داغ جُدائی دے کر چل بسا ۔

اِس چوٹ کو پرِتم چند نے نہایت سختی کے ساتھ
محسوس کیا ۔ اِس سے اُس کے تمام پُرانے زخم پھر ہرے
ہو گیئے ۔ کچھ عرصہ تک تو وہ سب کار و بار چھوڑ کر
دیوانوں کی مانند اپنے موہن کو یاد کر کر کے روتا رہا ۔
مگر آخر کچھ صبر آ ہی گیا ۔ لیکن پھر بھی اس موت نے
اس غم نصیب کے دل سے پرماتما کا اعتقاد تک ہٹا دیا ۔
اور وہ پرماتما کو ظالم ۔ بے رحم وغیرہ ہزار ہزار بُرے
ناموں سے یاد کرنے لگا ۔ صرف یہی نہیں بلکہ اگر اُسکے
سامنے کوئی پرماتما ۔ رام یا کرشن وغیرہ کا نام بھی لے دیتا
تھا ۔ تو وہ اُس کے ہی سر ہو جاتا تھا ۔ اس لیئے شریر
لڑکوں نے اسے رام کا نام لے لے کر چڑانا اور ستانا
شروع کر دیا تھا ۔

(۲)

پرِتم چند اِسی افسوسناک حالت میں تھا کہ ایک دن
اِس کا پُرانا دوست گیانی رام اُسے آکر مِلا ۔ جو سات آٹھ

سال سے پردیس گیا ہُوا تھا۔ اور مختلف تیرتھوں کی یاترا
کرکے آیا تھا۔ اس نے جب پرتم چند کے پاس بیٹھ کر
اُس کو دلاسا دیا۔ تو وہ رو رو کر کہنے لگا۔ دیکھو بھائی! میں
لُٹ گیا۔ برباد ہو گیا۔ ہائے ایک نینوں کا تارا۔ زندگی کا
سہارا۔ پرانوں سے پیارا موہن تھا۔ اسے بھی تمہارے ظالم
پرماتما نے چھین لیا۔ اب میں جی کر کیا کروں۔ ہائے وہ
مجھے بھی کیوں نہیں اُٹھا لیتا!

پرتم چند کی دُکھ بھری باتیں سُن کر اُس کے دوست
گیانی رام کو بہت دُکھ ہُوا۔ اور اُس نے اُسے تسلّی دیکر
سمجھانا شروع کیا۔ کہ پرم پتا پرماتما ظالم اور بے رحم نہیں۔ وہ
نیائے کاری اور دیالو ہیں۔ یہ سب دُکھ سُکھ ہمارے اپنے
کرموں کا پھل ہیں۔ ہم انہیں بھُول کر سنسار کی چیزوں
میں پھنس جاتے ہیں۔ جن سے آخر ایک نہ ایک دن ہمارا
جُدا ہونا ضروری ہے۔ اگر ہم سب یہی سمجھیں۔ کہ یہاں
جو آیا ہے۔ اُسے ایک دن جانا ضرُور ہے۔ اور ہمارا اس
دُنیا میں چار دن کا میل ہے۔ اس لئے ہمیں دھرم اور
آنند کے ساتھ یہ دن گزارنے چاہئیں۔ تو ہمارے بہت سے
دُکھ خود بخود دُور ہو جائیں۔

گیانی رام کی گیان بھری باتوں نے پرتم چند پر
بہت اثر ڈالا۔ اور وہ بولا۔ کہ اچھّا۔ اس دُنیا میں میرا
کوئی نہیں رہا۔ اب میں کس کے لئے جیؤں۔ کس کے
لئے کام کروں۔ اور کس کے لئے روپیہ کماؤں؟
گیانی رام بولا۔ کون کس کے لئے کچھ کرتا ہے؟ دُنیا

عا جیبی سفر ع۲ منصف ع۳ رحیم۔

ہیں سب اپنے اپنے لئے کام کرتے ہیں - ماں باپ بچے کو اگر پالتے ہیں - تو اُس کے لیئے نہیں بلکہ اپنے لئے پالتے ہیں - اوّل تو انہیں اس کے دیکھنے سے خوشی ہوتی ہے - دُوسرے انہیں یہ امید ہوتی ہے - کہ یہ بڑا ہو کر ہماری ٹہل سیوا کریگا - اِسی طرح اور بھی باتوں کو سمجھو - دُنیا میں کوئی کسی کے لئے کچھ نہیں کرتا - سب بُرائی بھلائی انسان اپنے ہی لیئے کرتا ہے - اس لئے تم بھی دُنیا میں اپنے لئے جیو - اپنے لئے کام کرو - اور اپنے ہی لئے روپیہ کماؤ - پریم چند نے پھر پُوچھا - کہ میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا - اپنے لئے مَیں کس طرح جی سکتا ہُوں - اور کس طرح کام کر سکتا ہُوں ؟

گیانی رام نے جواب دیا - اپنے لئے نہیں - تو اَوروں کے لئے ہی کام کرو - اصل میں یہ اپنے اور پرائے کی تمیز ہی غلط ہے - ہم سب پرماتما کے پُتر ہیں - جس طرح ایک ماتا اپنے بچّوں کو ایک دُوسرے کی مدد کرتے ہُوئے دیکھ کر خوش ہوتی ہے - اسی طرح پرماتما بھی ہمیں ایک دُوسرے کے ساتھ پریم کا برتاؤ کرتے ہُوئے دیکھ کر ہم سے خوش ہوتے ہیں - ہم پر زیادہ کرپا کرتے ہیں - اور ہمیں زیادہ سُکھ دیتے ہیں - اس لئے دوسروں کے واسطے کام کرنا بھی ہمارا اپنے لئے ہی کام کرنا ثابت ہوتا ہے - ہم سب خُود غرضی میں پھنس کر ایک دُوسرے کے ساتھ لڑ جھگڑ کر اپنے لئے دُکھ پیدا کرتے ہیں - اگر ایسا نہ کریں - تو اس دُنیا میں ہمیں ہرگز دُکھ محسُوس نہ ہو ÷

پریم چند ۔ تو اب مجھے کیا کرنا چاہیئے ؟
گیانی رام ۔ پرماتما پر وشواس رکھتے ہوئے سب کے ساتھ پریم کرو ۔ سب کو اپنا بھائی سمجھو ۔ جس طرح ہو سکے ۔ دوسروں کو سکھ پہنچاؤ ۔ اور اس میں پرماتما کی خوشی مانو ۔ میں جب تک یہاں ہوں ۔ تمہارا دکھ دور کرنے کے لئے کرشن مہاراج کا وہ اُپدیش جو اُنہوں نے ویر ارجن کو کیا تھا ۔ اور جو دنیا میں بھگوت گیتا کے نام سے مشہور ہے ۔ تمہیں سناتا رہونگا ۔ اس سے تمہارے من کو شانتی ہوگی ۔ اور تم آپ بھی بھگتوں کی کتھائیں وغیرہ پڑھتے سنتے رہا کرو ۔

आदि ۲۷ مئی ۱۹۳۰ء

(۳)

غرضیکہ اسی طرح گیانی رام نے پریم چند کے من میں پرماتما کا پریم اثر پیدا کر دیا ۔ اور اسے نشکام بھاو سے (معاوضہ کی خواہش بغیر) کرم کرنے کی عظمت سمجھا کر پھر دنیا کے کاموں میں لگا دیا ۔ مگر اس مرتبہ پریم چند کو اُن ہی سب کاموں میں جو پہلے اُسے بے جان معلوم ہوتے تھے ۔ آنند آنے لگا ۔ اور چند ہی روز میں اُس کے من کی حالت کچھ کی کچھ ہو گئی ۔ پہلے تو وہ دن رات اپنے موہن کو یاد کر کر کے رویا کرتا تھا ۔ اب اُسے گاؤں کے سب بچے موہن جیسے پیارے ہو گئے ۔ اور وہ گاؤں میں پہلے سے بھی زیادہ ہر دلعزیز ہو گیا ۔ پہلے تو وہ گھنٹہ دو گھنٹہ جو اُسے اپنے روزینے دھونے سے فرصت کا ملتا تھا ۔ اِدھر اُدھر کی گپ

نمبر بھروسہ ۲ وعظ نصیحت ۳ بہادر ۴ صبر ۵ مزا

नए-निरे

بازی میں ہی ضائع کر دیا کرتا تھا۔ مگر اب تو اُسے ایک ایک منٹ عزیز ہو گیا۔ اور وہ فضول باتوں کی بجائے لوگوں کو اُپدیش دینے لگا۔ اور ہر طرح سے سب کی ٹہل سیوا میں اپنا وقت گزارنے لگا۔ اور اُس کے آنند کی کوئی حد نہ رہی ❊

ایک رات پریم چند نے گیتا کے ایک اشلوک کو پڑھ کر اُس پر بہت غور کیا۔ جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ جو انسان عزیز۔ دوست۔ دُشمن۔ اجنبی۔ منصف۔ حاسد۔ رشتہ دار۔ نیک۔ بد۔ غرضیکہ تمام جانداروں کی نسبت ایک جیسے دوستانہ خیالات اپنے دل میں رکھ کر سب کو اپنی مانند جانتا ہے۔ وہ سب سے اعلےٰ ہے۔ اُس کی پُوجا کرنی چاہیئے۔ وُہی یوگی ہے ❊

اِس کے بعد ایک اَور کتاب میں اُس نے لکھا دیکھا کہ جو انسان پرمیشور پر وشواس رکھ کر۔ اس کے احکام کے مطابق اپنی زندگی بسر نہیں کرتا۔ اس کا انسانی جسم میں جنم لینا فضول ہے۔ اس مضمون کو پڑھ کر پریم چند نے سوچنا شروع کیا۔ کہ کیا میرا منش جنم پانا سپھل ہے؟ بہت دیر تک اس سوال پر غور کرکے اُس نے اپنے دل میں یہ عہد کر لیا۔ کہ اب سے مَیں سب کام بے غرضانہ طور پر اور ایشور کے نام پر ہی کیا کرونگا۔ پاپی من چاہے مجھے اس عہد سے کتنا ہی گرانا چاہے۔ مگر مَیں اُس کی ایک نہ سُنُوں گا۔ اور آہستہ آہستہ اپنے من پر قابُو حاصل کرکے پرماتما کے درشن کرونگا ❊

تعلہ خدا سے ملا ہوا۔ واصل بہ حق ۲ تعظیم ۳ مفید

(۴)

یہی سوچتے سوچتے پریم چند کی آنکھ لگ گئی۔ لیکن کچھ دیر بعد یکایک چونک کر اُٹھ بیٹھا۔ اُسے ایسا معلوم ہُوا۔ گویا کہ کسی شخص نے اُس کا نام لے کر پکارا ہے۔ لیکن آنکھیں مل کر چاروں طرف دیکھا۔ تو کوئی نظر نہ آیا۔ دروازے پر پہنچا۔ تو اُس نے یہ الفاظ سُنے۔ "پریم چند! اپنا عہد یاد رکھنا۔ کل ہی تمہیں درشن ہو جائینگے" دروازہ کھول کر باہر آیا۔ تو کوئی بھی دکھائی نہ دیا۔ حیران ہو کر سوچنے لگا۔ کہ یہ خواب تھا یا بیداری؟ پھر اپنی کھاٹ پر آکر پڑ رہا۔ اور یہی سوچتا ہُوا سو گیا ÷

اگلے روز صبح ہی اُٹھ کر سندھیا اُپاسنا سے فراغت پانے کے بعد اس نے کھانا بنایا۔ اور حسب دستور اپنے کام میں لگ گیا۔ لیکن رات کی بات اُسے رہ رہ کر یاد آتی تھی۔ اور جو لفظ اُس نے سُنے تھے۔ وہ اس کے کان میں برابر گونج رہے تھے ÷

اتنے ہی میں برف پڑنی شروع ہو گئی۔ تمام سڑک پر برف ایسی جمی ہوئی تھی۔ گویا کسی نے سفید چادر بچھا دی۔ درختوں پر بھی قدرت کی دیوی نے سفید غلاف چڑھا دئے۔ غرضیکہ چاروں طرف ایک سفیدی سی چھا گئی۔ پریم چند اپنی دُھن میں مست ہو کر رات کی بات پر پھر غور کرنے لگا۔ کچھ دیر گزرنے پر اسے کسی کے آنے کی آہٹ سنائی دی سمجھا

کہ ضرور بھگوان درشن دینے کے لئے آ رہے ہیں۔ مگر آنے والا جب اپنا بیلچہ کندھے سے اُتار کر سڑک کی برف صاف کرنے لگا۔ تب اُسے دھیان آیا۔ کہ ارے یہ تو بُوڑھا بھنگی بیلا ہے۔ جس کا کام گاؤں کی حد کے اندر سڑک صاف رکھنا ہے ؎

بوڑھا بیلا جب برف ہٹاتا ہٹاتا پریم چند کی دُکان کے سامنے آیا۔ تو پریم چند نے سوچا۔ کہ یہ بوڑھا۔ جو اس وقت ایسی کڑکڑاتی سردی میں برف ہٹا رہا ہے۔ کہیں سردی کا شکار نہ ہو جائے۔ اس کی کچھ مدد کرنی چاہئے۔ یہ سوچ کر بولا۔ "بیلا مہتر! آج تو بڑی سردی پڑ رہی ہے" ؎

بیلا مہتر۔ "ہاں! لالہ جی سردی تو غضب کی ہے۔ پر کیا کیا جائے۔ کام کرنا ہی پڑتا ہے" ؎

پریم چند۔ "بھائی یہ تو سچ ہے۔ پر اب تمہارا شریر ایسے موسم میں اس قدر سخت محنت برداشت کرنے کے قابل نہیں رہا۔ آؤ! ذرا سانس لے لو۔ میں تمہارے لئے چائے تیار کر دیتا ہوں۔ اسے پی کر پھر کام میں میں بھی کچھ مدد کر دُونگا" ؎

بیلا۔ "آپ کی بڑی مہربانی ہے۔ آپ ہم غریبوں سے اچھی طرح پریم سے بول لیتے ہیں۔ آپ کی یہی مہربانی کیا تھوڑی ہے"؟

پریم چند۔ "بھائی ہم تم۔ کوئی دو تھوڑا ہی ہیں۔ سب ایک ہی مایا ہے۔ اور ہم سب ایک ہی پرم پتا پرماتما کے

پُتر ہیں - اپنی کرنی کے پھل سے ہماری حالتوں میں یہ فرق پڑ گیا ہے - آؤ - بیٹھو ابھی چائے تیار ہوئی جاتی ہے - پی لو - بوڑھا شریر ہے - ٹھنڈ نہ لگ جائے٭

بیلا - "سیٹھ جی! بہت کام باقی ہے"٭

پریم چند - "بھائی کچھ پرواہ نہ کرو - لاؤ اپنا بیلچہ مجھے دو اتنے تم سانس لو - میں برف صاف کرتا ہوں"٭

بیلچہ اُٹھا کر پریم چند برف ہٹانے کے لئے تیار ہو گیا - بیلا ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا "سیٹھ جی رام! رام!! تم مجھے کیوں کانٹوں میں گھسیٹتے ہو - تمہارے پرتاپ سے میں کام کر لونگا"٭

مگر پریم چند نے ایک نہ مانی - اور اتنے چائے تیار ہوئی - پریم چند سڑک پر سے برف صاف کرتے رہے٭

چائے پی کر بیلا نے کہا "مہاراج! آپ نے میری وجہ سے بہت تکلیف اُٹھائی ہے"٭

پریم چند - "واہ یہ بات ہی کیا تھی - ہمارا کچھ گھس تھوڑا ہی گیا - غرور سے انسان گڑھے میں گرتا ہے - اور انکساری سے اوپر اُٹھتا ہے - میں تو ہمیشہ سب کی سیوا کرنے کو تیار ہوں"٭

بیلا - "مہاراج! آپ دھنیہ ہیں - دھنیہ ہیں - پر اُپکاری ایسے ہی ہوتے ہیں"٭

(۵)

بیلا دھنیہ باد کر کے اپنے کام میں لگا - اور پریم چند

اپنی دُکان میں آکر آگ تاپنے لگے۔ اتنے میں ہی ایک غریب عورت ایک بچے کو گود میں لئے ہوئے آئی۔ اور ٹھنڈی ہوا سے بچنے کے لئے دُکان کے دروازے کے پاس ایک طرف کو سُکڑ کر کھڑی ہو گئی۔ پریم چند نے دونو کو جاڑے کے مارے کانپتا ہوا دیکھ کر اس عورت سے پریم بھری آواز میں کہا۔ ”مائی باہر جاڑے میں کیوں کھڑی ہے۔ اندر آ جا۔ آگ تاپ لے۔ بچے کو ٹھنڈ نہ لگ جائے“۔

عورت اندر آ گئی۔ پریم چند نے اُسے بھی تھوڑی سی چائے پلائی۔ اور بالک کو کچھ مٹھائی کھانے کو دی۔ پھر اس سے پوچھنے لگا۔ ”مائی تم کون ہو“؟

عورت۔ ”کیا کہوں مہاراج! میں بھی ایک دُکھیاری۔ قسمت کی ماری ہوں۔ میرا پتی¹ ایک سپاہی تھا۔ آٹھ دس مہینے سے اس کا کہیں پتہ نہیں۔ میں اسے ڈھونڈتی پھرتی ہوں۔ مگر کہیں پتہ نہیں چلتا۔ افسروں نے خبر نہیں اسے کہاں بھیج دیا۔ جب میں گربھ² وتی³ تھی۔ تو ایک بھلے مانس نے میرے حال پر ترس کھا مجھے روٹی پکانے کے لئے اپنے گھر رکھ لیا تھا۔ مگر اب دو جانوں کے پالنے کے بوجھ سے ڈر کر اُس نے بھی جواب دے دیا۔ تین مہینے سے ماری ماری پھرتی ہوں۔ کپڑے تک بیچ بیچ کر کھا لئے۔ پاس کے گاؤں میں ایک نمبر داری کے پاس جاتی ہوں۔ شاید وہ ترس کھا کر ٹہلنی بنا لے۔ اور سرکار سے مجھے کچھ پنشن دلا دے“۔

¹ خاوند ² ۳ حاملہ

پریم چند۔" (آنکھوں میں آنسو لا کر) ایشور کی مرضی۔ تمہارے پاس کوئی اُونی کپڑا بھی نہیں۔ بچے کو سردی نہ لگ جائے"۔

عورت۔ "مہاراج! کیا کروں۔ میرے تو کوڑی بھی پاس نہیں۔ جب تک سانس باقی ہیں۔ سردی کیسے لگ سکتی ہے"۔

پریم چند۔ "ہاں یہ تو سچ ہے۔ (اپنی لوئی اُتار کر) لو! یہ اوڑھ لو۔ اور بچے کو بھی اُڑھا لو"۔

عورت۔ "مہاراج! رام آپ کا بھلا کرے۔ آپ مجھ ابھاگن کے لئے کیوں دُکھ اُٹھاتے ہیں"۔

پریم چند۔ "نہیں مائی۔ دُکھ کیا ہے۔ پرماتما کی مرضی یہی ہے۔ کہ بالک سردی سے نہ مرے۔ تم اس میں کیوں رُکاوٹ ڈالتی ہو۔ لو بچے کو اس میں چھپا لو"۔

عورت۔ "مہاراج! آپ دھنیہ ہیں۔ آپ جیسوں کے پُن پرتاپ سے ہی یہ زمین قائم ہے۔ نہیں تو جتنے اِس پر پاپ ہوتے ہیں۔ اُن کے اثر سے کبھی کی برباد ہو جاتی"۔

(۶)

عورت آگ تاپ کر لوئی میں اپنے بچے کو لپیٹ کر پریم چند کے پریم کی تعریف کرتی ہوئی۔ اور اسے آشیرباد دیتی ہوئی اپنے راستہ چلی گئی۔ اس دُکھیا بد نصیب عورت کی سہایتا کرکے پریم چند کو جو آنند حاصل ہوا۔ وہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اور وجہ اپنے

ع۱ نیکیوں کی بدولت ع۲ دعائے خیر ع۳ مدد۔

من میں اپنے اس نیک کام سے خوش ہو کر پھر اپنے رات کے خواب پر غور کرنے لگا۔ اور بھگوان کے درشن کی خواہش میں مگن ہو گیا ؀

اتنے میں ایک عورت سیبوں کی ایک ٹوکری سر پر رکھے اور پیٹھ پر اناج کی ایک گٹھڑی باندھے ہوئے آئی۔ پریم چند کی دکان کے برآمدہ کے سایہ میں آکر اس نے سر سے ٹوکری اتار دی۔ اور کمر سے گٹھری کھول کر سانس لینے لگی۔ کہیں سے ایک شریر لڑکا بھی چلا آیا۔ وہ اس عورت کی نظر بچا کر اور ایک سیب اس کی ٹوکری میں سے اٹھا کر تیر کی طرح بھاگا۔ عورت بھی غل مچاتی۔ اور لڑکے کو گالیاں دیتی اسکے پیچھے دوڑی۔ پریم چند بھی دکان سے نکل کر باہر آکھڑا ہوا۔ عورت نے بھاگ کر لڑکے کو پکڑ لیا اور اس کے بال پکڑ کر کھینچتی ہوئی پریم چند کی دکان کے سامنے ہی لے آئی۔ اور وہاں مارنے لگی۔ لڑکا کہنے لگا۔ "میں نے سیب نہیں چرایا"۔ پریم چند نے پہلے تو سیب والی عورت کو سمجھایا۔ کہ "مائی! ٹھیر مار مت۔ میں تیرا سیب دلائے دیتا ہوں۔ بچہ ہے۔ اس پر رحم ہی کرنا چاہئے" ؀

عورت۔ "یہ بچہ نہیں۔ بڑا نٹ کھٹ ہے۔ میں اسے ضرور سزا دونگی" ؀

پریم چند۔ "مائی جانے دے۔ میں اسے سمجھا دونگا۔ وہ ایسا کام کبھی نہیں کریگا۔ (لڑکے سے) دیکھو بھائی۔ تم نے

سیب ضرور چرایا ہے۔ میں نے خود تمہیں اُٹھاتے دیکھا ہے۔ تم اِس کا سیب اِسے دے دو۔ تو میں تمہیں اور لے دُونگا۔ نہیں تو یہ تمہیں مارے گی۔ اور سیب بھی آخر دینا ہی پڑیگا ؛

اِس طرح پریم سے سمجھانے سے لڑکے کی سمجھ میں کچھ بات آگئی۔ اور اس نے جلدی سے دھوتی میں سے سیب نکال کر پریم چند کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ پریم چند نے پیار کرکے کہا۔ ''اچھا اب تم اس سیب والی سے اپنے قصور کی معافی مانگو۔ اور پھر ایسی شرارت کرنے سے توبہ کرو۔ تو ہم تمہیں سیب دِلا دینگے''۔ لڑکے نے پریم چند کا حکم مان کر سیب والی عورت سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی۔ اور آیندہ کے لئے ایسی حرکت کرنے سے توبہ کی۔ تو پریم چند نے اپنے پاس سے اُسے ایک سیب خرید دیا۔ اور لڑکے کو چوری کے نقصانات بتلا کر آیندہ ایسا کام نہ کرنے کی نصیحت کی۔ اور عورت کو بھی سمجھایا کہ بچے جتنا پیار اور پریتی سے مانتے ہیں۔ مار پیٹ سے نہیں مان سکتے ؛

(۷)

اِس جھگڑے کا فیصلہ کرتے کرتے اندھیرا چھا گیا۔ اور پریم چند ہاتھ منہ دھو کر سندھیا اُپاسنا کرنے لگا۔ اُس وقت اُسے رات کے سپنے کا پھر دھیان آیا۔ اس دھیان میں مگن ہو کر کیا دیکھتا ہے۔ کہ کرشن بھگوان ہاتھ میں بنسری لئے ہوئے کھڑے ہیں۔

اِن کے سامنے بیلا مہتر پریم چند کی تعریف کرتا ہے
بچے والی عورت لوئی لے کر آتی ہے۔ اور اُن کے
چرن چھو کر پریم چند کا اُپکار بیان کرتی ہے۔ یہ
باتیں ابھی ہو ہی رہی تھیں۔ کہ سیدب چرانے والا
لڑکا اور سیدب بیچنے والی بڑھیا بھی آ پہنچی۔ اور
پریم چند کے پریم بھاؤ کی کہانی سنانے لگی۔ اس پر
کرشن بھگوان مسکرا کر پریم چند سے کہتے ہیں۔ کہ
پریم چند تو نے سچے پریم مورت پرماتما کو پہچانا
ہے۔ وہ پریم میں بستے ہیں اور سب جانداروں
سے سچا پریم کرنے سے ہی انسان انہیں پا
سکتا ہے ٭ ۴ جون ۱۹۳۰ء

دُوسری کہانی

سچّا سہارا

(۱)

موہن چمار کی کنگالی دن بہ دن بڑھتی جاتی تھی۔ اب اُس کا اپنا نہ کوئی گھر تھا۔ نہ زمین۔ وہ دُوسروں کی رکرپا سے ایک ٹُوٹے پھُوٹے جھونپڑے میں اپنی اِستری بچّوں کے ساتھ محنت مزدوری کرکے گُزران کرتا تھا۔ اُجرت بہت کم تھی۔ اناج کا بھاؤ چڑھ رہا تھا۔ جو کماتا تھا۔ وُہی پیٹوں میں اُترتا چلا جاتا تھا۔ اُس کے اور اُس کی بال۔ بچّوں کے پاس سردی کی زبردشت مار سے بچنے کے لئے صرف ایک ہی لحاف تھا۔ سو وہ بھی پھٹا پُرانا۔ جس میں سردی کا مقابلہ کرنے کی طاقت بالکل نہ رہی تھی۔ سال بھر سے بیچارہ اسی فکر میں تھا۔ کہ کب کچھ بچے۔ اور کب وہ آیندہ سال کی سردی سے بچنے کے لئے دُوسرا لحاف تیار کرائے۔ مگر لاکھ کوشش کرنے پر بھی وہ اب تک تین روپیہ سے زیادہ نہ بچا سکا۔ اور ظالم سردی اپنے بھیانک دانت نکالے ہُوئے سر پر آ کھڑی ہُوئی؛

آخر اس نے سوچا۔ کہ جو پانچ روپیہ پاس کے گاؤں والوں کے ذمّہ باقی ہیں۔ وہ وصول کرکے آٹھ روپے

ہو جائینگے - اور اس رقم میں ایک اچھا لحاف بن جائیگا
یہ سوچ کر وہ دن نکلنے سے پہلے ٹھٹھرتا اور کانپتا ہُوا
پاس والے گاؤں میں گیا - مگر قرضدار بھلے مانس نے
یہ سُوکھا جواب دیا - کہ اب تو روپیہ ہے نہیں - گُڑ
بیچ کر دُونگا - دُوسرے کے پاس گیا - اُس نے بھی
ویسے ہی کورا ٹرخایا - آخر سوچا - کہ چلو لالہ سے ہی
اُدھار مانگو - شاید اسے ہی کچھ ترس آ جائے - لیکن
آجکل کب کوئی کسی پر ترس کھاتا ہے - اور خاص کر
دُکاندار - اگر وہ ترس کھائے تو کمائے کیا؟ اِس لئے لالہ
نے بھی ٹکا سا جواب دے دیا - کہ "تجھ کنگال کو قرض
دے کر وصول کون کریگا"؟

(۲)

لاچار بیچارہ مایوس ہو کر گھر کی طرف لوٹا - اور
سوچنے لگا - "افسوس! مَیں تمام دن تو کام کرتا ہوں پھر
بھی پیٹ کے لئے پُوری طرح روٹی نہیں مِلتی - اب
کیسے کروں - اِس سال بھی سردی میں ہی ٹھٹھرنا پڑیگا
اگر ایسا ہُوا - تو اب کے تو ہم میں سے کوئی بھی نہیں
بچیگا - ان زمینداروں کے پاس اپنا گھر - زمین - ڈھور - ڈنگر -
ناج پات سب کچھ موجود ہے - میرے پاس تو اس کمزور
اور بھوک کے مارے ہُوئے شریر کے سوا کچھ بھی نہیں
مجھے اس کے پالنے کے لئے ایک ایک دانہ مول لینا پڑتا
ہے - اور پھر بھی یہ لوگ میرا روپیہ ادا نہیں کرتے -
اب مَیں کروں تو کیا کروں"۔

اسی طرح سوچتا ہُوا وہ بیچارہ آہستہ آہستہ اپنے گاؤں
کی طرف واپس آ رہا تھا - کہ شام ہو گئی - سُورج دیوتا
نئی دُنیا کو روشنی پہنچانے چلے گئے - اور پُرانی دُنیا
پر چاند اور تاروں کی حکومت پھیل گئی ؎

گاؤں کے قریب آ کر اُس نے مندر کے پاس ایک
سفید سی چیز پڑی دیکھی - پہلے تو وہ اسے گاؤں کا
بھُورا سانڈ سمجھا - مگر پاس جا کر اس نے دیکھا - تو
معلوم ہُوا - کہ ایک ننگا دھڑنگا آدمی ہے - جو سردی
سے ٹھٹھر رہا ہے - اس نے سوچا - کہ "شاید کسی نے
اس کے کپڑے چھین لئے - چلو مَیں آپ ہی کون سا
سُکھی ہُوں - جو اَوروں کے جھگڑوں میں پڑوں؟
میرے پاس ہی کیا ہے - جو مَیں کسی کو دیکر اس کی
مدد کر سکتا ہُوں"؟

(۳)

مگر چند ہی قدم چلا تھا - کہ دل نے نہ مانا - اور
وہ اسکی اس خود غرضی پر اُسے لعنت ملامت کرنے لگا - لاچار
رحمدل اور خدا ترس موہن اُس آدمی کے پاس واپس
آیا - اس ننگے آدمی نے ایک ایسی حسرت بھری نظر
سے اس کی طرف دیکھا - کہ موہن کے دل میں دیا کا
سمندر اُمڈ آیا - اور وہ اس وقت اپنا سب دُکھڑا بھُول
گیا - فوراً پھٹی ہُوئی رُوئی دار مرزئی جس میں بہتّر
(۷۲) پیوند لگے ہُوئے تھے - اپنے بدن سے اُتار کر
اُس کے حوالے کر دی - اور بولا "بس چُپ چاپ

اِسے پہن لو اور باتیں پیچھے ہوتی رہینگی"- اِس کے بعد موہن اسے اپنے گھر لے چلا- راستے میں اس نے اس سے پُوچھا- کہ "تم کہاں رہتے ہو"؟

وُہ آدمی- "کیا بتاؤں- مَیں یہاں کا رہنے والا نہیں"-

موہن- "یہ تو مَیں نے پہلے ہی سمجھ لیا تھا- لیکن تم اِس حالت میں مندر کے پاس کیسے آ پہنچے"؟

وہ آدمی- "یہ میں آپ کو ابھی نہیں بتلا سکتا- سب کچھ کرموں کا پھل ہے"-

موہن- "یہ تو ٹھیک ہے- لیکن پھر بھی پرماتما نے پیٹ بھرنے کو اَنّ- اور تن ڈھانپنے کو بُرے بھلے کپڑے تو سب کو ہی دے رکھے ہیں- تم اب کہاں جانا چاہتے ہو"؟

وہ آدمی- "کہاں بتاؤں؟ جہاں ایشور لے جائے"-

یہ سُن کر موہن حیران ہو گیا- اس شخص کا لب و لہجہ اور طرزِ گفتگو نہایت پیاری تھی- اور اُس میں صداقت جھلکتی تھی- کچھ سوچ کر بولا- "میں چمار ہوں اگر آپ کو کچھ اعتراض نہ ہو- تو میرے ہی گھر چلو- جو کچھ رُوکھی سُوکھی روٹی مجھے نصیب ہے- اس میں سے حصّہ لو"-

وہ آدمی- "میرے نزدیک تم دیا[1] اور دھرم[2] کے دیوتا ہو ایسی حالت میں مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے"-

جس بِدھ[3] راکھے رام اُسی بِدھ رہیئے
سُکھ دُکھ جو وہ دے خوشی سے سہیئے

۱ رحم - ۲ ایمان - ۳ طرح

موہن کی استری پہلے تو اس بن بُلائے مہمان کو دیکھ کر اور نیا لحاف آنے کی بجائے اپنے پتی کی مرزئی بھی اُتری ہُوئی دیکھ کر بہت جھنجھلائی - لیکن پھر اپنے پتی کے سمجھانے پر جلدی ہی سمجھ گئی - اور جو روٹی اس نے اپنے اور اپنے پتی کے لئے رکھی تھی - اس کے تین حصّے کرکے سب میں بانٹ دئے - جب موہن کی بہو نے اپنے اس مہمان سے کھانے کو کہا - تو وہ کِھل کِھلا کر ہنس پڑا ٭

(۴)

سویرے ہی جب موہن سو کر اُٹھا - تو اس کی استری پڑوس میں اناج اُدھار مانگنے گئی تھی - اور نَو وارد اجنبی زمین پر بیٹھا ہُوا آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا - مگر اب اس کا مَن پہلے کی نسبت زیادہ خوش دکھائی دیتا تھا - موہن نے اس سے کہا - "دوست! پیٹ روٹی مانگتا ہے - تن کو ڈھانپنے کے لئے کپڑے بھی ضروری ہیں - اس لئے اب تمہیں کوئی کام کرنا چاہئے"

اجنبی - "بتلاؤ! کیا کام کروں - مَیں تو کوئی کام بھی نہیں جانتا - تم ہی کچھ سکھا دو" ٭

موہن - "مَیں بھی تو جُوتے بنانے کے سوا اور کیا جانتا ہُوں - جو تمہیں سکھاؤں"؟

اجنبی - "جُوتے بنانا ہی سکھا دو - اب تمہیں چھوڑ کر اور کہاں جاؤنگا"؟

غرضیکہ موہن نے اس شخص کو جس نے اپنا نام

अतराफ - اطراف ۹ वज़ह क़तह = वेषभूषा
नख़वत = गर्व

گوپال بتلایا تھا۔ جوتے بنانے کا کام سکھانا شروع کیا۔ چند ہی روز میں وہ موہن سے بھی اچھا کاریگر ہو گیا۔ اور سال بھر کے اندر ہی اندر موہن کے کاریگر گوپال کے بنائے ہوئے جوتوں کی خوب صورتی اور مضبوطی کی گرد و نواح میں دھوم مچ جانے سے موہن کے پاس بہت سا کام آنے لگا۔ اور اس کی آمدنی خوب بڑھ گئی ⁂

۶ جون ۱۹۳۰ء

(۵)

اسی طرح کئی برس گزر گئے۔ ایک دن موہن اور گوپال بیٹھے ہوئے کام کر رہے تھے کہ ایک گاڑی موہن کی دکان کے سامنے آکر کھڑی ہوئی۔ اور اس میں سے ایک مالدار رئیس اتر کر دکان میں آیا۔ موہن نے اسے دیکھ کر اٹھ کے سلام کیا۔ کیونکہ ایسے بھاری بھرکم خوش پوش آدمی۔ جن کی صورت شکل اور وضع قطع سے نوابی ٹپکتی ہو۔ غریب موہن کی دکان پر کب آتے تھے۔ اس نو وارد امیر نے نخوت کے مارے موہن کی سلام کی کچھ پرواہ نہ کر کے پوچھا۔ "تم میں سے بڑھیا کاریگر کون ہے"؟

موہن۔ "حضور! میں" ⁂

امیر۔ "اچھا او چمار! (نوکر سے ایک چمڑے کا ٹکڑا لے کر) دیکھ یہ چمڑے کا ٹکڑا ہے" ⁂

موہن۔ "ہاں حضور"!

امیر۔ "جانتا ہے یہ چمڑا کس چیز کا ہے"؟

موہن۔ "حضور بہت بڑھیا چمڑا ہے"۔

امیر۔ "بیوقوف! بڑھیا تو ہے ہی۔ اور کیا گھٹیا ہوتا؟ تو بیچارہ کیا جانے؟ تو نے کبھی جنم دھار کر بھی ایسا چمڑا نہ دیکھا ہوگا۔ دیکھ یہ روس کا چمڑا ہے۔ اس اتنے سے ٹکڑے کا مول بیس روپے ہے"۔

موہن۔ "ہاں حضور! بھلا میں ایسا چمڑا کہاں سے دیکھتا"؟

امیر۔ "اچھا تم اس میں سے ہمارے پاؤں کا بوٹ بنا سکو گے"؟

موہن نے گوپال کی طرف دیکھا۔ گوپال بولا۔ "ہاں حضور بن جائیگا"۔

امیر۔ "دیکھ! اگر ٹھیک نہ بنا۔ تو اتنے جوتے پڑینگے۔ کہ کھوپری پلپلی ہو جائیگی۔ اور اگر ٹھیک بن گیا۔ تو پانچ روپیہ مزدوری ملیگی"۔

موہن ناپ لینے لگا۔ تو امیر بولا۔ "ناپ ٹھیک لینا چھوٹا نہ ہو جائے"۔ پھر گوپال کی طرف دیکھ کر پوچھا "یہ کون ہے"؟

موہن۔ "میرا کاریگر"۔

امیر۔ (گوپال سے) "او کاریگر کی دم! کان کھولکر سن۔ بوٹ ایک برس چلنا چاہئے۔ اگر کم چلا۔ تو تیری کھال ادھڑا دی جائیگی"۔

گوپال یہ سن کر کھل کھلا کر ہنس پڑا۔ اسے ہنستا دیکھ کر امیر غصے میں بھر کر بولا۔ "بیوقوف

دانت کیا نکالنا ہے؟ گستاخ کہیں کا! کان لگا کر سُن! یہ بُوٹ پرسوں تک تیار ملنا چاہئے۔ دیر مت لگانا۔ ورنہ یہ سب کوڑی سے دانت نکال دِئے جائینگے"۔

غریب چماروں کو اس طرح ڈرا دھمکا کر امیر باہر نکلا۔ تو غرور سے دروازے کے پاس جا کر سر جھکانا بھول گیا۔ دروازہ چھوٹا تھا۔ اس زور سے سر بجا کہ دُور تک آواز گئی۔

موہن بولا۔"کمبخت کا سر کیسا مضبوط ہے؟ چوکھٹ ہی توڑی تھی"۔

موہن کی استری۔"دُنیا میں دھنوان[۱] ہی بلوان[۲] ہے"۔

گوپال۔"موت کے سامنے دھنوان بلوان سب ایک سے ہیں۔ کسی کی کچھ نہیں چلتی"۔

(۶)

اگلے روز موہن گوپال سے بولا۔"بھائی! کام تو لے لیا۔ مگر بڑے آدمی کا کام ہے۔ کوئی جھگڑا نہ کھڑا ہو جائے۔ تمہارا ہاتھ اس کام میں صاف ہے۔ تم ہی ذرا صفائی سے بُوٹ کاٹ ڈالو"۔

یہ سُن کر گوپال نے چمڑا لے کر کاٹ ڈالا۔ اور جُوتا بنانا شروع کیا۔ تیسرے پہر موہن کیا دیکھتا ہے۔ کہ گوپال نے تو بُوٹ کی بجائے سلیپر بنا کر رکھ دی ہے۔ پاؤں تلے کی دھرتی[۳] نکل گئی۔ ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ سر چکرا گیا۔ دونو ہاتھوں سے سر پیٹ کر بولا۔"ارے گوپال غضب کر دیا۔ وہ تو بوٹ بنانے کو کہ گیا تھا۔

[۱] مالدار۔ [۲] طاقتور۔ [۳] زمین۔

हीले = बहाने। रिज़्क़ = आजीविका। संजीदा = गंभीर
बाईहमे = Notwithstanding

اور تُو نے سلیپر بنا دی - اب کیسے ہو گی ؟ پیچھا چھُوٹنا مشکل ہے"۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں - کہ ایک آدمی نے آ کر "رام رام" کی - اور کہا - "کل جو رئیس صاحب بُوٹ دے گئے تھے - وہ تیار ہو گیا"؟

موہن - "بُوٹ! بُوٹ تو تیار نہیں ہُوا"

آدمی - "چلو یہ بھی اچھا ہُوا - رئیس صاحب تو کل یہاں سے جاتے ہی مر گئے - اب ان کے بھائی اُن کی جگہ کار مختار ہُوئے ہیں - سو اُنھوں نے کہا ہے - کہ بُوٹ نہیں - سلیپر بنانا"۔

یہ سُن کر موہن کی جان میں جان آئی - اور بولا کہ "سلیپر تو تیار ہے - لیکن رئیس صاحب کل تو بھلے چنگے تھے - آج مر کیسے گئے"؟

آدمی - "بھئی کیا بتلائیں - یہاں تمہارے ہی دروازے کی چوکھٹ سے اُن کا سر ٹکرایا - اور بس گھر پہنچنے سے پہلے پہلے گاڑی میں پران چھوڑ دیئے - گویا موت ہی انہیں یہاں سر ٹکرانے کے لئے کھینچ کر لائی تھی - سچ ہے - "حیلے . رزق - بہانے موت"

(۷)

گوپال کو موہن کے پاس چھ سال گزر گئے - وہ بہت خاموش اور سنجیدہ مزاج آدمی ہے - اس عرصے میں وہ فقط دو مرتبہ ہنستے ہُوئے نظر آیا ہے - لیکن با ایں ہمہ وہ اُداس نہ تھا - اپنے کام سے مطلب رکھتا تھا - اور

کسی سے نے کچھ نہ کہتا تھا - ایک دن ایک عورت دو نہایت خوب صورت لڑکیوں کو لے کر موہن کی دُکان پر آئی - لڑکیاں بالکل ہم شکل تھیں - فرق صرف یہ تھا کہ اُن میں سے ایک لنگڑی تھی - بُڑھیا نے آ کر کہا - کہ "اِن لڑکیوں کے پاؤں کے جُوتے بنا دو" - موہن نے ناپ لینا شروع کیا - گوپال پر جو اس کی نظر پڑی - تو اس نے دیکھا - کہ وہ اُن لڑکیوں کو اس طرح دیکھ رہا ہے - گویا کہ اس نے انہیں پہلے کہیں دیکھا ہے *

بُڑھیا نے ناپ دیتے ہُوئے کہا - کہ "لڑکیاں جوڑی ہیں اس لئے تین پاؤں تو ایک سے بنینگے - اور ایک پاؤں لُنجا ہے - اس کا ناپ الگ لے لو" *

موہن - "یہ بیچاری لنگڑی کیسے ہو گئی - کیا جنم سے ہی ایسی ہے"؟

بُڑھیا - "جنم سے تو ایسی نہیں - اِس کی ماں ہی نے اس کی ٹانگ کچل دی" *

موہن - "وہ کس طرح؟ کیا تم ان کی اصلی ماں نہیں ہو"؟

بُڑھیا - "نہیں! مَیں اِن کی اصلی ماں نہیں ہُوں - دھرم کی ماں ہُوں - مَیں نے ہی اِنہیں پالا ہے" *

موہن - "تو یہ کس کی لڑکیاں ہیں"؟

بُڑھیا - "چھ برس کے قریب ہُوئے - اِن بیچاریوں کے ماں باپ ان کے جنم کے بعد ایک ہفتے کے اندر ہی اندر پرلوک[1] سِدھار[2] گئے - اور یہ لڑکیاں مجھے مِل گئیں - میں نے ہی اِنہیں اپنا دُودھ پلا پلا کر بڑا کیا" *

[1] دوسری دُنیا کو - [2] کوچ کر گئے *

اِن سُندر لڑکیوں کو دُکان میں دیکھ کر موہن کی اِستری بھی آ گئی تھی - اور وہ بڑھیا کی باتیں بڑے غور سے سُن رہی تھی - وہ بولی - "تو ان کے ماں باپ کون تھے"؟

بُڑھیا۔ "ان کا باپ ایک غریب لکڑہارا تھا - جو میرے پڑوس میں رہتا تھا - ان کے جنم سے تین دن پہلے وہ بیچارہ پیڑ سے گر کر مر گیا - اس کے جلانے کے بعد ابھی اس کے پھُول بھی نہیں چُنے گئے تھے - کہ ان کا جنم ہُوا - اور جنم دیتے ہی ان کی ماتا بھی چل بسی - مرتے ہُوئے اس بیچاری لڑکی کا پاؤں اس کی کروٹ میں دب گیا - جس سے یہ لنگڑی ہو گئی - میرے کوئی اولاد نہیں تھی - مَیں نے حاکم سے انہیں مانگ لیا - دوا دارو کھانے سے پرماتما نے ان پر کرپا کی - میری چھاتیوں میں دُودھ دے دیا - اور اب یہ میری ہیں - اور مَیں اِن کی"+

یہ کہہ کر بُڑھیا نے اُن دونو کنیاؤں کو پریم سے چھاتی سے لگا لیا - موہن کی اِستری بولی - "سچ ہے - انسان ماں باپ کے بغیر بھی جی سکتا ہے - ایشور ہی سب کا سچا سہارا ہے - جس کے بغیر گُزارہ مشکل ہے"+

یہ باتیں سُن کر گوپال خوب کھِل کھِلا کر ہنسا - اور اُس کی ہنسی کی آواز سے ساری دُکان گُونج گئی +

۹ جون ۱۹۳۰ء

(۸)

بُڑھیا کے چلے جانے کے بعد گوپال ہاتھ جوڑ کر موہن سے کہنے لگا - "اب مجھے آ گیا دیجئے - میری مصیبت کے دن ختم ہو چکے - تمہاری کرپا سے مَیں نے یہ دن

ع۱ ہندوؤں کی لاش جلنے کے بعد راکھ میں جو ہڈیاں رہ جاتی ہیں - اُن کو پھول کہتا ہیں +

بڑے سُکھ سے ساتھ گزارے ہیں۔ اب مَیں جانا چاہتا ہوں"
یہ کہتے ہوئے گوپال کا چہرہ جلال سے چمک اُٹھا۔
موہن ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔ "مہاراج! مَیں پہلے ہی سمجھتا تھا۔ کہ آپ کوئی معمولی آدمی نہیں۔ کرپا کر کے یہ بتلائیے کہ آپ کون ہیں؟ جب مَیں آپ کو اپنے گھر لایا تھا۔ اس وقت آپ بہت اُداس تھے۔ لیکن جب میری اِستری نے آپ کے سامنے روٹی رکھی۔ تو آپ ہنسے۔ پھر دُوسری مرتبہ جب وُہ امیر بُوٹ بنوانے آیا۔ تب ہنسے۔ اور یا آج آپ اِس بُڑھیا کی باتیں سُن کر ہنسے ہیں۔ آپ کے اِن تینوں مرتبہ ہنسنے کی وجہ کیا ہے۔ یہ بھی ظاہر کیجیے"؟
گوپال بولا۔ "دوست موہن! آج مجھ پر پرماتما کی کرپا ہوئی۔ مَیں اپنے کھوٹے کرموں کا پھل بھگت چُکا۔ بھگوان نے تین باتوں کے جاننے کے لئے مجھے اِس سنسار میں بھیجا تھا۔ اب مَیں وُہ تینوں باتیں سمجھ گیا۔ اور اسی لئے تین بار ہنسا تھا"۔
موہن۔ "یہ سزا آپ کو کیوں ملی تھی؟
گوپال۔ "بھگوان کا حکم نہ ماننے سے۔ در اصل مَیں یم دُوت (فرشتۂ موت) ہُوں۔ مجھے ایک اِستری کی جان لینے کا حکم ہُوا تھا۔ جب مَیں اس کے پاس پہنچا۔ تو کیا دیکھتا ہُوں۔ کہ وُہ اِستری بہت کمزور ہے۔ اور اُسی وقت کی پیدا ہوئی دو خوب صُورت لڑکیاں اُس کے پاس پڑی ہُوئی ہیں۔ مَیں نے سوچا۔ کہ اِس کا پتی بھی دو دِن ہوئے مر چُکا ہے۔ اگر اِس کی بھی جان لے لی۔ تو یہ

لڑکیاں کیسے جئینگی۔ یہ سوچ کر مجھے ان لڑکیوں پر ترس آگیا۔ اور میں اُن کی ماں کو چھوڑ کر بھگوان کے پاس واپس گیا۔ اور اُن سے سب کچھ جا کر کہا۔ اُنھوں نے فوراً دُوسرے دُوت کو اُس کی جان لینے کے لئے بھیج دیا۔ اور مجھ سے کہا۔ کہ تم مرت لوک (دُنیا) میں جا کر معلوم کرو کہ انسان میں کیا جوہر ہے؟ انسان کو کیا نہیں ملتا؟ اور انسان کا سچا سہارا کیا ہے؟ جب تک تم اِس کا پتہ نہ لگاؤ گے۔ تم سوَرگ میں نہ آسکو گے"؎

اِس کے بعد فوراً آندھی آئی۔ میری آنکھیں بند ہو گئیں۔ اور جب کھُلیں۔ تو مَیں نے اپنے آپ کو اس مندر کے پاس پڑا ہُوا پایا۔ جہاں تم نے مجھے دیکھا تھا؎

(۹)

اِس وقت موہن اور اُس کی اِستری سمجھے کہ گوپال در اصل کَون ہے۔ اپنی خوش قسمتی پر ناز کرنے لگے۔ گوپال پھر بولا "جب تک میں اِنسانی جسم میں نہیں آیا تھا۔ میں سردی۔ گرمی۔ بھُوک پیاس سب سے بالاتر تھا۔ دُنیا میں آتے ہی مجھے اِن سب نے ستانا شروع کیا۔ اور میں ہوا سے بچ کر سڑک پر بیٹھ گیا۔ براہمن۔ کھشتری۔ ویش۔ چھوٹے بڑے سب ہی اُدھر سے گزرے۔ لیکن مجھے ٹھٹھرتے ہُوئے دیکھ کر کسی کو مجھ پر ترس نہ آیا۔ اور کسی نے میری بات نہ پُوچھی۔ دیا آئی تو تمہیں۔ جو خود کنگال تھے۔ اور بھُوک پیاس اور سردی گرمی کی تکلیفوں کو جانتے تھے کہ کیسی ہوتی ہیں؟ پہلے پہل تو جب تم میرے پاس سے

ویسے ہی گزر گئے۔ مجھے تمہارا منہ بھی اوروں کے چہروں کی طرح بھیانک معلوم ہوا۔ لیکن پھر جب تم لوٹ کر میرے پاس آئے۔ اور تم نے اپنی مرضی مجھے پہننے کو دی۔ تو تمہارے چہرہ پر نور برسنے لگا۔ جب میں گھر آیا۔ تو مجھے تمہاری استری کا چہرہ تم سے بھی زیادہ بھیانک دکھائی دیا۔ کیونکہ وہ اس وقت خود غرضی میں بھری ہوئی تھی۔ لیکن جب سمجھانے پر وہ مجھ پر ترس کھا کر میرے لئے روٹی لائی۔ تو وہ ایک دیوی سی دکھلائی دینے لگی۔ اور اس وقت میں سمجھا۔ کہ انسان کا اصلی جوہر پریم (الفت و ہمدردی) ہے۔ اور اسی لئے میں اس وقت ہنسا تھا۔

ایک برس پیچھے جب وہ امیر بوٹ بنوانے آیا۔ تو میں اس کی باتیں سُن کر اس لئے ہنسا۔ کہ وہ ایک سال کے لئے بوٹ بنواتا تھا۔ لیکن اس کی عمر ایک گھنٹے کی بھی باقی نہیں تھی۔ اس وقت میں یہ سمجھ کر کہ انسان جو چاہتا ہے۔ وہ اُسے نہیں ملتا۔ دوسری بار ہنسا۔

آج چھ برس بعد اس بڑھیا کی باتیں سُن کر مجھے معلوم ہوا۔ کہ سب کی زندگی کا سچا سہارا ایک پرماتما ہے۔ اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ اور اسی لئے میں تیسری بار ہنسا"۔

یہ کہہ کر وہ یم دوت غائب ہو گیا۔ اور موہن اور اس کے بال بچے پرماتما کے سچے بھگت بن کر سب سے اور بھی زیادہ پریم کرنے لگے۔ ۱۰ جون ۱۹۳۰ء

रग़बत = इच्छा ख़सलत = Habit आदत

تیسری کہانی

سچّا سُکھ

نانک دُکھیا سب سنسار[۱]
سو سُکھیا جو نام آدھار

(۱)

ریاست موہن پور میں مادھو نگر ایک گاؤں ہے۔ وہاں بسنت سنگھ نامی ایک زمیندار رہتا تھا۔ اس کا ایک لڑکا دھرم سنگھ نہایت سوشیل[۲] ۔ گُن وان[۳] ۔ سمجھدار اور ہوشیار تھا۔ پتا نے اُسے نہایت لاڈ اور پیار سے پالا تھا۔ مگر یہ کچھ اس کے پچھلے جنم کے کرموں کا ہی اثر سمجھو۔ کہ وُہ ہمیشہ بُری صحبت سے بچتا رہا۔ اور کبھی عیبوں کی طرف اُسے رغبت ہی نہیں ہوئی +

دھرم سنگھ کے جوان ہونے پر بسنت سنگھ نے اس کا بیاہ پاس کے ہی گاؤں کے ایک زمیندار کی سوشیلا (نیک خصلت) اور رُوپ وتی (خوب صورت) کنیا سے کر دیا۔ اور اس بیاہ میں ایسی دُھوم دھام کی۔ کہ اگرچہ اس شادی کے بعد سے ہی بسنت سنگھ کا کام کاج کچھ ڈھیلا پڑ گیا۔ مگر ایک دفعہ اس شادی سے

[۱] اے نانک تمام دنیا رنج و غم میں پھنسی ہوئی ہے۔ خوش صرف وہی ہے جسکا بھروسہ خدا کے نام پر ہے۔ [۲] نیک مزاج ۔ [۳] باہنر +

تمام گرد و نواح میں بسنت سنگھ کی واہ واہ ہو گئی اور سالہا سال تک یہ شادی اس علاقے میں یادگار سمجھی جاتی رہی +

(۲)

چند سال بعد ہی دھرم سنگھ کے سر سے بسنت سنگھ کا سایہ اُٹھ گیا - اور وہ دُنیا میں اکیلا رہ گیا - کیونکہ اس کی ماتا تو شادی کے چند ماہ بعد ہی سورگ سدھار گئی تھیں +

مثل مشہور ہے - کہ بدقسمتی کبھی تنہا نہیں آتی - بسنت سنگھ کا سایۂ پدری دھرم سنگھ کے سر سے اُٹھتے ہی اُسے چاروں طرف سے آفتوں نے آگھیرا - سب سے پہلے تو بسنت سنگھ کے قرضدار یورش کر آئے - پھر چور چوری کرکے بہت سا مال و دولت لے گئے - بیٹھک میں آگ لگ جانے سے بہی کھاتہ اور ضروری کاغذات سب برباد ہو گئے - جن سے کچھ لینا تھا - وہ اس طرح سب کھیل بگڑا دیکھ کر طوطے کی طرح آنکھیں بدل گئے - غرضیکہ نتیجہ یہ ہوا - کہ سال بھر کے اندر ہی اندر دھرم سنگھ ایک بڑے زمیندار کی حیثیت سے گر کر ایک معمولی کھاتا پیتا گرہستی رہ گیا - اور اس کے پاس سو پچاس بیگھے زمین اور دس بیس ڈھور ڈنگروں کے سوا اور کچھ نہ رہا +

لیکن دھرم سنگھ سچا دھرم سنگھ تھا - ان مصیبتوں کے گھر آنے سے وہ بالکل نہ گھبرایا - بلکہ اُس نے

مردانہ وار ان کا مقابلہ شروع کیا۔ اور ایک سچے گرہستی کی طرح پرماتما پر بھروسہ رکھتے ہوئے سب آفتوں کو صبر اور شکر کے ساتھ جھیلا۔ سچ ہے ؎

پھرتا ہے سیل حوادث سے کہیں مردوں کا مُنہ
شیر سیدھا تیرتا ہے وقتِ رفتن آب میں

(۳)

دھرم سنگھ کی دُور اندیشی۔ دانائی۔ صبر اور استقلال کا نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ چند ہی برس میں اس کی حالت پھر بدلنی شروع ہوئی۔ اور پندرہ بیس ہی سال میں اس کی حیثیت اپنے پتا بسنت سنگھ سے بھی بڑھ گئی۔ اُس نے دو چار گاؤں بھی خرید لئے۔ دو چار سَو ڈھور ڈنگر۔ دس بیس گھوڑے۔ ایک درجن طرح طرح کی گاڑیاں۔ سب ہی کچھ ہو گیا۔ بڑے بڑے سرکاری افسروں میں بھی رسُوخ بڑھ گیا۔ ہر روز دس بیس مہمان بھی دروازہ پر دکھائی دینے لگے۔ اور دھرم سنگھ کی مہمان نوازی دور و نزدیک مشہور ہو گئی ؛

پرماتما نے دو لڑکے اور ایک لڑکی بھی دی۔ جن کی اُس نے بڑے پریم اور پریت سے پرورش کی۔ گاؤں سے شہر میں بھیج کر اپنی سمجھ کے مطابق تعلیم بھی اچھی دِلائی۔ غرضیکہ ایسی حالت ہو گئی۔ کہ بہت سے لوگ دھرم سنگھ کی یہ خوش قسمتی دیکھ کر اپنے دل میں اس سے حسد کرنے لگے۔ مگر دھرم سنگھ کو کسی کے حسد اور رشک سے کچھ مطلب نہ تھا۔ وہ اپنی وُہی سادہ زندگی بسر کرتا رہا۔ اور

اور جہاں تک اِس سے بن پڑا - اپنی ذات سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتا رہا ÷

(۴)

اُف !

عجب ناداں ہیں وہ - ہے جنکو عُجب تاجِ سُلطانی

فلک بالِ ہُما کو دم میں بخشے ہے مگس رانی

دھرم سنگھ کا ستارہ پھر نحوست میں آپھنسا - بڑا لڑکا شمشیر سنگھ جسے اُس نے ہزاروں روپیہ پر پانی پھیر کر اعلےٰ سے اعلےٰ تعلیم دلوائی تھی - اور ولایت بھیج کر بیرسٹر صاحب بنایا تھا - ولایت میں رہ کر دھاوت شرابی بن گیا ہندوستان میں آکر اور تو اُس نے جو کیا سو کیا - مگر شراب کے نشہ میں ایک نوکر پر بگڑ کر اُسے ٹھکراتے ٹھکراتے مار ڈالا - مقدمہ ہُوا - دھرم سنگھ کے ہزاروں روپیہ پر پانی پھر گیا - تب کہیں مسٹر شمشیر سنگھ کی گردن پھانسی کی رسّی سے بچی - اور دو چار سال کی قید بُھگت کر آپ آئے - مگر پھر بھی شراب نہ چُھٹی - اور آخر کار بیچارے کی جانِ شیریں بھی اُسی کی نذر ہو گئی - یعنی ایک جگہ لڑ لڑا کر کام آگئے ــ دھرم سنگھ اور اپنی ماتا کو عین جوانی میں اپنا داغِ جدائی دے گئے - اچھا یہ ہُوا - کہ شمشیر سنگھ کی اِس صاحب بہادری نے اسے کہیں بیاہ نہ کرنے دیا تھا ورنہ بیچارے دھرم سنگھ کو اپنے گھر میں بدھوا بہو کو بیٹھا دیکھ کر اور بھی کُڑھنا پڑتا ÷

دُوسرے لڑکے رنبیر سنگھ نے جب دیکھا - کہ دھرم سنگھ شمشیر سنگھ پر لاکھوں روپیہ بگاڑ رہا ہے - تو اُس نے اپنے سُسرال والوں کی پٹی میں آکر دھرم سنگھ سے لڑنا جھگڑنا شروع کیا - بالآخر نتیجہ یہ ہُوا - کہ باپ بیٹے میں مقدمہ بازی شروع ہو گئی - لیکن پھر دھرم سنگھ نے اپنی لاج کے لئے رنبیر سنگھ کو سمجھا بجھا کر اور اُس کا مُنہ مانگا حصہ اُسے دیکر اس معاملہ پر ڈھول ڈالی - اور وہ باپ ماں کو چھوڑ کر اپنی سُسرال والوں کے گاؤں میں جا رہا - کنیا بیچاری کا تھا ہی کیا - وہ تو شروع سے ہی پرایا دھن تھی - اچھی طرح پال پوس کر اُس کا بھی بیاہ مُکلاوا کر دیا - اور آخر کار بڑھاپے میں پہنچ کر دھرم سنگھ اور اُن کی دھرم پتنی پھر دو ہی پرانی رہ گئے - اور اُن پر یہ کہاوت صادق آئی -

دھی جنوائی لے گئے - بھوئیں لے گئیں پوت
کہیں منوہر جنگلی - ہم رہے اُوت کے اُوت

(۶)

مگر اتنے پر بھی بدقسمتی نے پیچھا نہ چھوڑا - جانوروں میں مری پھیل گئی - ڈاکوؤں نے مکان گھیر لیا - لُوٹ مار کرکے سب دھن لے جانے کے ساتھ ہی حساب کتاب کی بہیاں بھی پھونک گئے - غرضیکہ ساٹھ برس کی عمر ہوتے تک دھرم سنگھ کورے دھرم سنگھ ہی رہ گئے - نہ اُن کا گھر رہا نہ دوار - مال رہا نہ جائداد - گھوڑے رہے نہ بیل رتھ رہے نہ بگھی - رہی تو صرف ایک پران پیاری اردھانگنی*

* نصف جسم - ہندو شاستروں میں بیوی کو خاوند کا نصف جسم بتایا ہے - انگریزی عیسائیوں میں بھی بیوی کو "بہتر نصف" (Better half) ...

جس نے پنچوں کے سامنے پھیرے لیکر دُکھ سُکھ میں ساتھ رہنے کا عہد کیا تھا ۔

دھرم سنگھ اور اُن کی دھرم پتنی کے یہ بگڑے دن دیکھ کر اب گاؤں والے ان کے ساتھ حسد کرنے کی بجائے اُن پر رحم کرنے لگے ۔ کیونکہ دھرم سنگھ اور ان کی دھرم پر چلنے والی استری نے اپنی ذات سے کبھی کسی گاؤں والے کو یہ موقع نہیں دیا تھا ۔ کہ وہ ان سے نفرت کرتے ہیں ۔ رہا خوشحالی کا حسد ۔ سو یہ ہندوستانیوں میں مارہی ہے ۔ کہ دُوسرے کو کھاتے پیتے دیکھ نہیں سکتے ۔ اس کا کہنا ہی کیا ہے ؟

اس لئے اب اس بگڑی میں ایک دُوسرے زمیندار منوہر سنگھ نے جس پر دھرم سنگھ اپنی بنی میں ہزاروں احسان کر چکے تھے ۔ اُن پر ترس کھا کر اُن دونو کو اپنے یہاں نوکر رکھ لیا ۔ اور اب وُہ جن کے کبھی بیسیوں نوکر چاکر تھے ۔ دُوسروں کی ٹہل سیوا کرکے اپنا پیٹ پالنے لگے ۔

(۷)

ایک روز منوہر سنگھ کے ایک مہمان آئے ۔ منوہر سنگھ نے دورانِ گفتگو میں دھرم سنگھ کی طرف جو دروازے سے باہر الگ کو مونڈھا بچھائے بیٹھے تھے ۔ اِشارہ کرکے اپنے مِتر سے پُوچھا ۔ کہ "تم اِنہیں جانتے ہو جو باہر بیٹھے ہیں" ؟

مِتر ۔ "نہیں ! مَیں نے اِنہیں کبھی نہیں دیکھا" !

منوہر سنگھ ۔ "یہ ہمارے گاؤں کے مشہور زمیندار دھرم سنگھ ہیں ۔ جیسی اِن بیچاروں کی بگڑی ہے ۔ ایسی بھی کبھی

ے ۔ دوست

کی نہ بگڑے"۔

متر۔ "اُف! اوہ! دھرم سنگھ۔ بسنت سنگھ کے بیٹے"؟

منوہر سنگھ۔ "جی ہاں! شمشیر سنگھ اور رنبیر سنگھ کے پتا۔ اب یہ بیچارے اور ان کی دھرم پتنی ہمارے ہی گھر رہتے ہیں"۔

متر۔ "کیا تم ان سے کچھ کام بھی لیتے ہو"؟

منوہر سنگھ۔ "اجی ہم نے کام کیا لینا ہے۔ بڑے آدمی ہیں خود ہی خالی بیٹھنا نہیں چاہتے۔ جو جی میں آتا ہے۔ کرنے لگتے ہیں"۔

متر۔ "مگر انہیں پچھلے دن یاد تو بہت آتے ہونگے۔ کبھی کچھ ذکر بھی کرتے ہیں"؟

منوہر سنگھ۔ "دل ہی دل میں یاد کرتے ہوں۔ تو دوسری بات ہے۔ ہم نے تو کبھی ان کی زبان سے کوئی شکوہ شکایت نہیں سنی"۔

उम्मीद

متر۔ "تعجب ہی ہے۔ پوچھنا چاہیئے"۔

منوہر سنگھ۔ "یہی جی میں ہے۔ تو پوچھ دیکھو"۔

۱۴ جون ۱۹۳۷ء

(۸)

منوہر سنگھ کے متر بلبھدر سنگھ یہ معلوم کرنے کی خواہش نہیں روک سکے۔ کہ دھرم سنگھ کے دلی خیالات اپنی اس بد قسمتی کے متعلق کیا ہیں؟ اس لئے وہ ایک روز موقع پا کر دھرم سنگھ سے یوں بات چیت کرنے لگے:۔

بلبھدر سنگھ۔ "کہو ٹھاکر جی! کیا حال ہے"؟

دھرم سنگھ۔ "شکر ہے پرماتما کا۔ جس حال میں رکھے"۔

بلبھدر سنگھ۔ "شکر تو ہے ہی۔ مگر پھر بھی پچھلے دن یاد تو

آتے ہی ہونگے"؟

دھرم رشنگھ "جو بیت گئے۔ ان کی کیا یاد"*

بیتی تاہے بسار دے آگے کی سُدھ لے

یہ تو چلتی پھرتی چھایا ہے۔ اس کا کیا یاد کرنا"*

بلبھدر رسنگھ "ہاں! یہ تو سچ ہے۔ مگر پھر بھی آپ کو کبھی اوروں کو عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہوئے۔ اور طرح طرح کے سُکھ بھوگتے ہوئے دیکھ کر اور اپنا گُزرا زمانہ یاد کرکے ملال تو ہونا ہی ہوگا"؟

دھرم رسنگھ "اس کا میں آپ کو کیا جواب دوں۔ میری بات کا آپ کو یقین نہیں آئیگا۔ یہ سوال آپ اپنی بھابی جی سے کیجئے۔ استریوں کو اپنی بہن لکشمی سے بہت پریم ہوتا ہے"*

(۹)

دھرم رسنگھ سے یہ جواب پاکر بلبھدر رسنگھ کو بہت تعجب ہوا۔ اور اُنہوں نے ایک روز موقع پاکر دھرم سنگھ کی دھرم پتنی سے یوں سوال کیا "کہو مائی جی سُکھی تو ہو"

ٹھکرانی "پرماتما جس حال میں رکھے سُکھی ہی ہیں"*

بلبھدر رسنگھ "ہاں! مائی جی یہ تو سچ ہے۔ مگر جو سُکھ پہلے تمہیں مل چُکا ہے۔ وہ اب کہاں"؟

ٹھکرانی "وہ بھی اُسی نے دیا تھا۔ یہ بھی اُسی نے دیا ہے۔ سچ پوچھو تو اب پہلے کی نسبت زیادہ سُکھ ہے"*

بلبھدر رسنگھ "(حیران ہوکر) وہ کس طرح؟ کیا ہنسی کرتی ہو"؟

* جو گذر گئی اسے بھول جا اور آگے کی فکر کر ۲ سایہ

ٹھکرانی "نہیں! ہنسی تو نہیں کرتی - سچ سچ کہتی ہوں۔ پہلے ہمیں سو فکر تھے - دُنیا ہمیں سُکھی سمجھتی تھی - مگر ہم اُس وقت سُکھی نہیں تھے - اُس وقت سے زیادہ سُکھی اب ہیں"۔

بلبھدر سنگھ "وہ کیسے"؟

ٹھکرانی "وہ اِس طرح - کہ دولتمند ہونے کے وقت ہمیں ہر قسم کا فکر گھیرے رہتا تھا - اور ہم کبھی پرماتما کا دھیان تک نہ کر سکتے تھے - آج کوئی بڑا آدمی مہمان آگیا ہے۔ اس کی خاطر تواضع کا فکر سر پر سوار ہے - کہیں مہمان داری میں کسر نہ رہ جائے - اور دُنیا میں بدنامی نہ ہو۔ نوکر اچھی طرح کام نہیں کرتے - کیا کریں؟ ان سے کس طرح ٹھیک کام لیں؟ گائے بکری بہت ہیں - رات کو کوئی بھیڑیا یا چرخ نہ اُٹھا لے جائے - گھوڑا لنگڑا ہو گیا - نوکرانی کے سر میں درد ہے - دروازہ کھلا نہ رہ جائے - کبھی چور گھس آئیں - غرضیکہ اِسی فکر میں دن رات گزرتا تھا - کبھی کبھی پتی پتنی میں کسی بات پر کہا سُنی بھی ہو جاتی تھی"۔

بلبھدر سنگھ "اور اب"؟

ٹھکرانی "اب کی کیا پوچھتے ہو - نہ لڑائی ہے نہ جھگڑا نہ کچھ فکر ہے نہ چِنتا - دھن جو اِن سب آفتوں کی جڑ تھا - اُس کے برباد ہوتے ہی اسکے فکر میں پھنسانے والے پھل پھول پتے ٹہنی سب خود بخود ناش ہو گئے - اب اپنے مالکوں کا کام کیا - اور چھٹی ہوئی - نہ اُدھو کا لین نہ

مادھو کا دین۔ دو گھڑی اپنے رام کا نام بھی لے لیتے
ہیں" ٭

جب بلبھدر سنگھ اور ٹھکرانی جی میں یہ باتیں ہو رہی تھیں۔ اس وقت اتفاق سے دھرم سنگھ بھی وہاں آ گئے۔ اور بلبھدر سنگھ کو ٹھکرانی کی باتوں پر مسکراتے ہوئے دیکھ کر بولے۔ "یہ بات ہنسنے کی نہیں۔ انسانی زندگی میں اگر کوئی سچی بات ہے تو یہی ہے۔ دھن ناش ہو جانے پر پہلے ہم افسوس کیا کرتے تھے۔ لیکن جب سے گیان کی آنکھیں کھلیں۔ تو معلوم ہو گیا۔ کہ سچا سکھ کیا ہے ٭

نانک دکھیا سب سنسار
سو سکھیا جو نام آدھار

یعنی پرماتما کا سہارا لینے میں ہی سچا سکھ ہے ٭

۱۵ جون سنہ ۱۹۳۰ء

چوتھی کہانی

آگ پھیلنے سے پہلے چنگاری بجھا دو

(۱)

ویرپور میں کرور سنگھ اور ظالم سنگھ نامی دو زمیندار رہتے تھے۔ اُن دونو کے پتاؤں کا اگرچہ نہایت گہرا یارانہ رہا تھا۔ لیکن جب سے ظالم سنگھ کے باپ ودیا سنگھ کا انتقال ہُوا۔ اور کرور سنگھ کے پتا دھرم سنگھ نے فالج کا شکار ہو کر گھر بار کرور سنگھ کے حوالے کیا۔ اور آپ کھٹیا سنبھالی۔ تقریباً اُسی وقت سے کرور سنگھ اور ظالم سنگھ میں کُتّے بلّی کا سا بَیر ہو گیا۔ اور دونو ایک دُوسرے کی جان کے خواہاں رہنے لگے۔ اور دن رات عدالتوں میں کھچے کھچے پھرنے لگے۔

(۲)

اس عداوت کی اِبتدا بھی ایک عجیب طریقہ سے ہُوئی۔ کرور سنگھ نے مُرغیاں پال رکھی تھیں۔ ان میں سے ایک مُرغی روز طویلے میں جا کر انڈا دے آیا کرتی تھی۔ جسے کرور سنگھ کے بیٹے بیر سنگھ کی بہو اُٹھا کر لے آتی تھی۔ ایک روز وُہ مُرغی ظالم سنگھ کے گھر چلی گئی۔ اور وہیں انڈا دے آئی۔ بیر سنگھ کی بہو اپنے وقت پر طویلہ میں گئی۔ تو اُسے وہاں انڈا نہ مِلا۔ تلاش کرنے لگی۔ تو اُس کے دیور دھیر سنگھ نے کہا۔ کہ "میں نے مُرغی کو ظالم سنگھ کے ہاں

کڑ کڑاتے دیکھا تھا" یہ سنتے ہی بہو رانی ظالم سنگھ کے گھر پہنچی - اور اِدھر اُدھر انڈا ڈھونڈھنے لگی - ظالم سنگھ کی ماں نے پوچھا "بہو رانی! کیا ڈھونڈھ رہی ہے"؟

بہو "بڑی جی ہماری مرغی یہاں آ گئی تھی - کہیں انڈا ڈال گئی ہے - تم نے تو نہیں دیکھا"؟

بڑی جی "ہمارے کیا مرغیاں نہیں ہیں - جو ہم کنگالوں کی طرح اوروں کے گھر انڈے ڈھونڈھتے پھریں"؟

یہ جلی بھنی بات سن کر بہو رانی بگڑ اُٹھیں - اور اینٹ کا جواب پتھر دینے لگیں - اِدھر ظالم سنگھ کی بہو اپنی ساس کی حمایت میں کھڑی ہو گئی - اُدھر سے کرور سنگھ کی ماں بھی اپنی بہو کے لڑنے کی آواز سن کر بیٹی سمیت اس کی مدد کو پہنچ گئی - اور خوب تُو تُو مَیں مَیں ہونے لگی - مردوں کو خبر پہنچی تو اُن بھلے مانسوں نے عورتوں کو سمجھانے بجھانے کی بجائے اُلٹے اُن کی حمایت میں لٹھ سنبھال لئے!

(۳)

ایک مرغی کے انڈے نے دونو پڑوسیوں کے گھروں میں بس کی بیل پھیلا دی - کسی کی ڈاڑھی نوچی گئی - کسی کا سر پھٹا - فوجداری مقدمہ بن گیا - عدالت میں مہینوں تک ذلیل و خوار ہونے کے بعد آخر کار دونو کو تین تین مہینے کے لئے جیل کی ہوا کھانی پڑی - جیل سے واپس آنے کے بعد بھی دونو کا غصہ نہ مٹا - بوڑھے دھرم سنگھ نے اپنے بیٹے کرور سنگھ کو بہتیرا سمجھایا - کہ "بیٹا! دیکھو تو سہی - ایک چھدام کے انڈے کے پیچھے کتنے خوار ہوئے - سینکڑوں روپے پر

پانی پھر گیا۔ تکلیف جو اُٹھائی سو کسی گنتی ہی میں نہیں۔ اب غصّہ تھوک دو۔ عداوت کا خیال تک چھوڑ دو۔ بچّوں اور عورتوں کی لڑائیوں میں مردوں کو سر پھٹوّل کرنی مناسب نہیں۔ اس میں لوگ ہنسائی اور نقصان کے سوا خاک فائدہ نہیں ہوتا"۔

مگر بُوڑھے دھرم سنگھ کی کسی نے نہ مانی۔ کروُر سنگھ اور بھی کڑوا ہو کر بولا "بس اپنی نصیحت کے پشتارے کو بند کر دیجئے۔ میں بُز دل نہیں۔ جو ان باتوں میں آؤں۔ کشتری ہوں کشتری! میں نے بھی کشترانی کا دُودھ پیا ہے۔ کسی . . . . کا ڈبیل نہیں بستا۔ جو مجھے ایک کہے گا۔ چار سُنے گا۔ ایک مارے گا۔ دو کھائیگا۔ دیکھ لُونگا کوئی . . . . میرا کیا کر سکتا ہے"۔

بُوڑھا باپ اپنے بگڑے دل بیٹے کی یہ بات سُن کر ٹھنڈی سانس بھر کر بولا "خیر! ہر اچھا۔ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ مجھے تو اس میں بھلائی دکھائی نہیں دیتی"۔

(۴)

چند روز بعد ظالم سنگھ کے ہل کی پھالی کھوئی گئی۔ اور اُس نے پولیس میں رپورٹ کرکے کروُر سنگھ کے بیٹے دھیر سنگھ پر اپنا شبہ بیان کیا۔ اس کے جواب میں چند روز بعد کرور سنگھ نے ظالم سنگھ کے بیٹے مست سنگھ پر بھُس تک چوری کا شبہ بیان کرکے رپورٹ لکھوا دی۔ غرضیکہ اسی طرح یہ آگ آہستہ آہستہ سُلگتی رہی۔ عورتوں میں باہمی گالی گلوچ کوسنا کاٹنا روز مرّہ کا معمول ہو گیا۔ کنوئیں

پر۔ بازار میں۔ کھیت پر۔ غرضیکہ جہاں کہیں بھی دونو گھروں
کی عورتیں ملتیں۔ وہ وہ خرافات بکتیں۔ کہ توبہ ہی بھلی۔
ایک روز اتفاق سے ظالم سنگھ بھی عورتوں کی لڑائی میں
پہنچ گیا۔ اور اُس نے کرُور سنگھ کے لڑکے بیر سنگھ کی
استری کو۔ جو اس مہا بھارت میں ارجُن بن رہی تھی۔ دھکا
دے دیا۔ وہ حمل سے تھی۔ اسے کچھ معمولی سی تکلیف
ہو گئی۔ جو چند روز بعد دُور ہو گئی۔ مگر کرُور سنگھ کو
ایک شوشہ ہاتھ آ گیا۔ اور اُس نے جھٹ ظالم سنگھ پر
نالش داغ دی۔ اگرچہ معاملہ معمولی ہی تھا۔ لیکن کرُور سنگھ
نے کچھ لے دے کر ظالم سنگھ کو ۲۰ ضرب بید کی سزا
کرا دی ٭

یہ حکم سُن کر ظالم سنگھ نے باہر آ کر مونچھوں پر
ہاتھ پھیرا۔ اور کہا۔ اچھا بچو! بید تو لگیں ہی گی۔ مگر
میں بھی ظالم سنگھ ہُوں تو مزہ چکھا دُونگا۔ گھر نہ پھُونک
دُوں۔ تو یہ مونچھیں پیشاب میں منڈوا دینا ٭

(۵)

یہ سُن کر کرُور سنگھ پھر بھاگا ہُوا مجسٹریٹ کے
پاس گیا۔ اور کہنے لگا۔ حضور وہ گھر پھونک دینے کی دھمکی
دیتا ہے۔ فلاں فلاں میرا گواہ ہے ٭

عدالت نے پھر ظالم سنگھ کو بلوایا۔ لیکن وہ صاف
انکار کر گیا۔ مجسٹریٹ نے کہا۔ "تمہارے لب و لہجہ سے
معلوم ہوتا ہے۔ کہ تم نے ضرور دھمکی دی ہو گی۔ مگر تم
جیسے شریف آدمی کی شان کے یہ بات شایاں نہیں۔ تم

نے ایک گربھ وتی استری کو دھکّا دیا۔ یہ بڑا پاپ کیا۔ وُہ تو ایشور کی کرپا سے بچ گئی۔ ورنہ تم نے اپنی کرنی میں کسر نہ چھوڑی تھی۔ اگر تم اب بھی اپنے اس قصور پر افسوس ظاہر کرکے کرُور سنگھ سے معافی مانگ لو۔ تو ہم بھی تمہاری سزا معاف کر سکتے ہیں۔

ظالم سنگھ۔ "حضور! چاہے بیدیں لگتے لگتے جان بھی کیوں نہ نکل جائے۔ تب بھی ظالم سنگھ۔ کرُور سنگھ سے معافی نہیں مانگ سکتا"۔

مجسٹریٹ۔ "اچھا تمہاری مرضی"۔

(۶)

کرور سنگھ جب مقدمہ جیت کر گھر آیا۔ تو پتا نے پُوچھا۔ "کہو! کیا فیصلہ ہُوا"؟

کرور سنگھ۔ "(فخر سے) فیصلہ کیا ہونا تھا۔ ہم جیت گئے ..... ظالم کے بیس کوڑے مارے جانے کا حکم ہُوا"۔

پتا۔ "(ہاتھ مل کر) رام۔ رام۔ بیس کوڑے"؟

کرور سنگھ۔ "اور کیا! رام رام کیسی۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی"۔

پتا۔ "میں تیرے لئے ڈرتا ہوں۔ تُو کیا اپنی کرنی کو نہیں بھریگا"؟

کرور سنگھ۔ "میں نے کیا ہی کیا ہے؟ اُس نے بہو کو مارا تھا۔ بیچاری مرتی مرتی بچی۔ اب بھی تو وہ باز نہیں آیا۔ گھر جلانے کی دھمکی دیتا ہے"۔

پتا۔ "پر تُو بھی تو بے قصور نہیں ہے۔ تُو یہ سمجھتا ہوگا کہ میں گھر میں پڑا رہتا ہُوں۔ اور تیری کرتوت سے

واقف نہیں ہوں۔ ارے دُشٹ! مجھے رتّی رتّی حال معلوم ہے۔ تُو نے میرے نام کو بٹّا لگا دیا۔ دیکھ تو! میری تمام عُمر بیت گئی۔ مَیں نے آج تک کچہری یا عدالت میں پاؤں تک نہیں رکھا۔ بھلا مَیں پُوچھتا ہُوں۔ کبھی ایک ہاتھ سے بھی تالی بجتی ہے؟ ایک کے لڑنے سے لڑائی کبھی نہیں ہوتی۔ لڑائی تو اُسی وقت ہوگی۔ جب دونو لڑینگے۔ بتا تو سہی ظالم سنگھ کی ڈاڑھی کس نے اُکھاڑی تھی؟ بھوسہ کس نے چُرایا تھا؟ اور اُسے عدالت میں کس نے گھسیٹا؟ واہ وا! اولاد کو اچھی تعلیم دے رہے ہو۔ تم گھر کے مالک ہو۔ تمہیں سب کو اچھے راستے پر لگانا چاہئے تھا۔ برخلاف اس کے تم انہیں لڑاکا اور جھگڑالُو بنا کر ان کی عُمریں خراب کر رہے ہو۔ دُنیاوی افسروں کو تم دھوکا دے سکتے ہو۔ مگر پرماتما کو تو دھوکا نہیں دے سکتے۔ تمہیں اپنی ان سب بے انصافیوں کا وہاں جواب دینا پڑیگا"

کرور سنگھ" (شرم سے گردن جھکا کر) تو مَیں کیا کروں؟"

پتا" اپنے پاپوں پر پچھتاؤ۔ دُوسرے سے جو کچھ تمہیں نقصان پہنچا ہے۔ اسے سچے دل سے معاف کرو۔ مہاپُرشوں کا قول ہے۔ کہ" اگر تمہیں کوئی گالیاں دے۔ یا نقصان پہنچائے تو اُسے برداشت کرو۔ وہ خُود پچھتائیگا۔ اور تم سے معافی کا خواہاں ہوگا۔ اس وقت اسے معاف کرکے جو آنند تمہیں حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ بدلہ لینے سے ہرگز نہیں مل سکتا"۔ سوچو تو سہی! پرماتما نے تمہیں اَن دھن۔ دھرتی بیٹا۔ بیٹی سب کچھ دے رکھا ہے۔ پھر تم اُن سے سُکھ

اُٹھانے کی بجائے اُلٹے دُکھ میں پھنس رہے ہو۔ آپس کی لڑائی سے تمہاری آمدنی گھٹتی جاتی ہے۔ ہائے! ہائے! تمہارے سر پر لڑائی کا بھوت سوار ہے۔ وہ تمہیں کچھ کرنے دھرنے نہیں دیتا۔ بتاؤ تو سہی! پچھلے سال چنے کیوں نہیں ہوئے؟ ہوتے کہاں سے۔ تم تو عدالت میں پیچھے پیچھے پھرتے رہے۔ بیٹا! اب بھی مان جاؤ۔ اور دُشمنی چھوڑ کر کام کاج کرو"!

بوُڑھے پِتا کی باتوں نے کرور سنگھ کے دل پر کچھ اثر کیا۔ اور اب وہ اپنے فعل پر دل ہی دل میں پچھتانے لگا۔ اس کے چہرے سے اس کے دل کی حالت تاڑ کر پِتا پھر بولا۔ "پُتر میں تمہارے دل کی حالت جان گیا۔ جھوٹی شرم چھوڑ کر ابھی ظالم سنگھ کے گھر جاؤ۔ اور اس سے صُلح صفائی کر لو۔ آگ پھیلنے سے پہلے ہی چنگاری بجھا دو۔ اور جب پھیل گئی۔ تو بجھائے نہ بجھیگی"۔

(۷)

بوُڑھا کچھ اور کہنا چاہتا تھا۔ کہ اتنے ہی میں عورتیں ظالم سنگھ کی عورتوں سے لڑ جھگڑ کر شور و غُل مچاتی ہوئی آ گئیں۔ اور کہنے لگیں۔ کہ "ظالم سنگھ کہتا ہے۔ کہ تم نے رشوت دے دلا کر میرے کوڑے لگوائے ہیں۔ میں نے بھی سب حال لکھ کر بڑے حاکم کے پاس بھیجا ہے اور ایسی چال چلی ہے۔ جس سے تمہاری آدھی جائداد چھین لونگا۔ دیکھو تو سہی! کیسا مزہ چکھاتا ہوں"۔

یہ دھمکی سن کر کرور سنگھ کی نیت پھر بدل گئی۔ اور اُس نے ظالم سنگھ سے صلح صفائی کرنے کا اِرادہ چھوڑ دیا۔

१ जेठ, मोरवे, सप्ता, की फसल, जिस की भूमि की जुताई आषाढ़ में आरम्भ होती है।

اساڑھی بونے کی موسم تھی - کام بہت تھا - کرور سنگھ
ڈھور ڈنگروں کو چارہ ڈالنے چلا گیا - اور پھر کسی اور
کام میں لگ گیا - اتنے میں شام ہو گئی - کام کی دُھن
میں وُہ اپنے پتا کی باتیں اور لڑائی وغیرہ کا خیال سب
بھول گیا - رات کے وقت مکان میں آیا - تو پاس سے ہی
یہ لفظ سُنائی دیئے - "مرنے بھی دو کمبخت کرور سنگھ کو -
وہ جی کر کریگا ہی کیا" - اندر آیا - تو دیکھا - کہ بہو چرخہ
کات رہی ہے - اس کی استری بھوجن بنا کر اس کا انتظار
کر رہی ہے - لڑکی کچھ سینا سی رہی ہے - چھوٹا لڑکا
کتاب ہاتھ میں لئے کچھ پڑھ رہا ہے - اور بڑا لڑکا دُودھ
کے پاس بیٹھا ہے - غرضیکہ سب سُکھ کا سامان موجود ہے
مگر پڑوسی کی لڑائی نے اس کو دُکھ میں بدل دیا ہے ٭

پھر خیال آیا - کہ ارے اندھیری رات ہے - ہوا چل
رہی ہے - کہیں کمبخت ظالم سنگھ سچ مچ ہی کسی چھپر میں
آگ نہ دیدے - اِس لئے گھر کے چاروں طرف پھر کر
دیکھ لینا چاہیئے - بلکہ رات کی حفاظت کے لئے باری باندھ
لینی چاہیئے - تاکہ زیادہ نقصان نہ ہو - پھر سوچا - کہ اگر
ہاتھ میں جلتا ہُوا پولا لئے وہ بدذات میرے ہاتھ ہی آ
جائے - تب تو تین چار سال کے لئے اُسے جیل خانے
بھجوا کر بے فکر ہو جاؤں - غرضیکہ اِنہی خیالات سے گھبرایا
ہُوا وُہ اُلٹے قدم واپس ہُوا - تاکہ گھر کے چاروں طرف
پھر کر اپنی تسلی کر لے - اور اگر ممکن ہو - تو ظالم سنگھ
کو آگ لگانے کی کوشش کرتا ہُوا پکڑ لے ٭

۱۸ جون ۱۹۳۰

(۷)

مویشی خانہ کے پاس آ کر کیا دیکھتا ہے ۔ کہ سچ مچ ظالم سنگھ پھوس کا جلتا ہوا پولا لئے اس کے رہائشی گھر کے ایک چھپر کو آگ دینے کے لئے کھڑا ہے ۔ اس نے بھی اسے آتا ہوا دیکھ لیا ۔ اور جلدی سے اس جلتے ہوئے پولے کو چھپر پر پھینک کر بھاگ گیا ۔ کروڑ سنگھ نے ظالم سنگھ کو جیل خانہ پہنچانے کی لگن میں پہلے آگ بجھانے کی کوشش کرنے کی بجائے اس کا پیچھا کرنا شروع کیا ۔ اور اس کے پیچھے پیچھے بھاگتا ہوا اُس کے گھر تک پہنچ گیا ۔ جہاں ظالم سنگھ نے اُسے نہتا اور اکیلا دیکھ کر جلدی سے گھر سے ایک موٹا لٹھ لا کر پیٹ ڈالا ۔ اور وہ بیہوش ہو کر گر پڑا ۔ کچھ دیر بعد ہوش آئی ۔ تو کیا دیکھتا ہے ۔ کہ گھر دہک دہک جل رہا ہے ۔ شعلے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں ۔ لڑکے اور گاؤں کے اور دس پانچ آدمی آگ بجھانے کی کوشش کر رہے ہیں ۔ عورتیں اور بچے چلا رہے ہیں ۔ چوٹ اور زخموں کی سب تکلیف بھول کر وہ گرتا پڑتا دروازے پر پہنچا ۔ اندر جانے کی کوشش کی ۔ مگر آگ کی تیزی نے پاس تک نہ جانے دیا ۔ اور اس کی داڑھی اور سر کے بال سب جھلس گئے ۔ لاچار دونو ہاتھوں سے کلیجہ تھام کر کھڑا ہو گیا ۔ تب پتا کے بچن یاد آئے ۔ اور ہاتھ مل کر کہنے لگا ۔ وہ ہائے ! آگ پھیلنے سے پہلے چنگاری کو بجھا دینا چاہئے تھا ۔ ہائے ! اگر میں اس کو پکڑنے کی کوشش کرنے کی بجائے جلدی سے اس پولے کو اٹھا کو بجھا دیتا ۔

१. महफूज़ = सुरक्षित, २. मृत्यु = मर्ग.

تو یہ بربادی کیوں ہوتی"۔ آگ منٹ منٹ پر بڑھتی چلی گئی ہوا کے تیز شعلوں نے ظالم سنگھ کے مکان کو بھی محفوظ[1] نہ رہنے دیا۔ اور ساتھ ہی آس پاس کے دس بیس مکانات اور بھی خاک سیاہ ہو گئے ×

(۸)

اگلے روز صبح ہی گاؤں کا چودھری کرور سنگھ کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا۔ "آپ کے پتا بستر مرگ[2] پر ہیں۔ اور آپ کو بلا رہے ہیں"۔ کرور سنگھ کچھ دیوانہ سا ہو رہا تھا۔ اور یہ سمجھ بیٹھا تھا۔ کہ پتا اگنی[1] کی بھینٹ[2] ہو گئے۔ چودھری کی بات سن کر کچھ بھی نہ سمجھا۔ اور بولا "کون پتا"؟

چودھری نے کہا۔ "تمہارے پتا دھرم سنگھ جی۔ کل ہم انہیں جلنے سے بچا کر لے گئے تھے۔ مگر پھر بھی انہیں سخت بھبک لگی ہے۔ اور ان کا بچنا بہت مشکل ہے۔ تمہیں آخری درشن کے لئے بلاتے ہیں ×

یہ بات سن کر کرور سنگھ چودھری کے ساتھ اس کے مکان پر پہنچا۔ باپ نے بیٹے سے دھیمی آواز سے پوچھا۔ "بیٹا! یہ مکان کس نے جلائے"؟

کرور سنگھ "ظالم سنگھ نے۔ میں نے اسے اپنی آنکھوں سے چھپر میں آگ لگاتے دیکھا۔ ہائے اگر میں اس کے پکڑنے کو نہ دوڑتا۔ تو آگ نہ پھیلتی" ×

پتا "اور پھر بھی تم کہتے ہو۔ کہ گاؤں ظالم سنگھ نے جلایا ہے۔ تم نے نہیں جلایا۔ دیکھو! میں مر رہا ہوں۔ اب سچ سچ بتلاؤ۔ کہ یہ کس کا قصور ہے؟

[1] آگ۔ آگ کا دیوتا۔ [2] نذر ×

1. बाइस = कारण. 2. इन्तकाम = बदला. 3. परस्पर

کرُور سنگھ ”(آنکھوں میں آنسو بھر کر) میرا ہی قصور ہے - مَیں ہی آپ کی موت کا باعث ہوں - معاف کیجیے! میں آپ کا اور پرماتما دونو کا قصور وار ہوں“ ÷

پتا ”بیٹا! جانتے ہو - اب کیا کرنا چاہیے“؟

کرُور سنگھ ”مَیں کیا جانوں - جو آپ حکم دیں وُہی کروں“

پتا ”اچھا یہی ہے - کہ تم اب ظالم سنگھ کو معاف کر دو اُس کے اِس قصور کا کسی سے ذکر نہ کرو - پرماتما تمہیں بھی معاف کرینگے“ ÷

اِس کے بعد ”رام رام“ - ”سیتا رام“ کہتے ہوئے دھرم سنگھ نے اپنے بیٹے کی گود میں جان دیدی ÷

(۹)

کرُور سنگھ نے ظالم سنگھ کو اپنے پتا کے چرنوں میں بیٹھ کر دل سے معاف کر دیا - پہلے تو ظالم سنگھ ڈرتا رہا کہ کرُور سنگھ اسے سزا دلانے کی کوشش کریگا - مگر مہینہ دو مہینہ گزر جانے پر اُسے یقین ہو گیا - کہ کرُور سنگھ اس سے اب انتقام نہیں لیگا - اس خیال نے اس کے دل کو بھی پلٹا دیا - اور اب اسے بھی پچھتاوا آنے لگا - کہ ”مَیں نے دُوسرے کا نقصان کرنے میں اپنا بھی نقصان کیوں کیا“؟

پانچ چھ مہینے کے بعد دونو کے نئے گھر بن گئے اور آہستہ آہستہ دونو ایک دُوسرے کی طرف جھکنے لگے - باہمی راہ و رسم بڑھنے لگی - رفتہ رفتہ دونو پڑوسی جو ایک دُوسرے کے دُشمن تھے - شیر و شکر ہو گئے اور دُوسرو

4. शीर.

کے ساتھ بھی بڑے پریم اور پریتی کا برتاؤ کرنے لگے۔
اِن کے طرز عمل کا گھر والوں پر بھی یہ اثر پڑا کہ بچے
بچوں کے ساتھ اور عورتیں عورتوں کے ساتھ رہل مل
گیئں۔ اور اب نہایت پریم اور پریتی سے ایک دوسرے
کے مددگار بن کر رہتے ہیں *

۱۹ جون ۱۹۳۵ء

مفلس ۹ = निर्धन افلاس = निर्धनता!



پانچویں کہانی

سچّا اُپدیشک

کسی مہاتما کی آشیرباد سے ایک مُفلس۹ کے گھر لڑکا ہُوا۔ مہاتما کی نصیحت تھی۔ کہ لڑکا ہوتے ہی کسی اَور کو اس کے دھرم پتا اور دھرم ماتا بنا دینا۔ بیچارہ گاؤں میں سب سے درخواست کر پھرا۔ کہ کوئی اس بچے کا دھرم ماتا اور دھرم پتا بن جائے۔ تاکہ کسی اَور کا ہو کر ہی جیتا رہے۔ مگر کسی نے نہ مانا۔ لاچار وہ بیچارہ دوسرے گاؤں کی طرف اس امید میں چلا۔ کہ شاید وہاں ہی کوئی مان جائے۔ راستے میں اسے ایک دھرماتما مِلا۔ اس کے پوچھنے پر اس غریب نے سب حال کہ سُنایا۔ اس مہاتما کو اس پر ترس آیا۔ اور وہ اُس کے لڑکے کا دھرم پتا بننے کے لئے تیار ہو گیا۔ اب ایک مشکل رہ گئی۔ کہ دھرم ماتا کسے بنایا جائے۔ اس مہاتما نے دھرم ماتا بننے کے لئے بھی ایک دیوی کا پتہ بتا دیا۔ جو نہایت خوشی سے اس نردھن کے پُتر کی دھرم ماتا بن گئی ٭

اِس طرح یہ سب کچھ ہونے پر وہ بالک اپنے ماتا پتا کی گود میں پلتا ہُوا بڑا ہُوا۔ بچپن ہی سے وہ بہت ذہین اور سمجھ دار تھا ٭

ہوشمندی = عقلمندی = बुद्धिमत्ता

بالائے سرش ز ہوشمندی میتافت ستارۂ بلندی

جب ہوشیار ہوا۔ تو ایک تیوہار کے موقع پر وہ اپنی دھرم ماتا جی کو پرنام کرنے گیا۔

وہاں سے واپس آیا۔ تو اُس نے اپنے پتا جی سے کہا۔ "میں اپنے دھرم پتا جی کے بھی درشن کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اُن کا پتہ بتلا دیجیئے"۔

پتا۔ "بیٹا! مجھے آپ ہی معلوم نہیں۔ کہ وہ کہاں رہتے ہیں۔ رمتے رام کہیں سے آ نکلے تھے۔ سو تجھے زندگی بخش گیے"۔

یہ کہ کر پتا نے پُتر کو سب حال سُنا دیا۔ مگر پتا کی باتوں سے کچھ تسلی نہ ہوئی۔ اور وہ بولا۔ "پتا جی! میرے جی میں ایسے مہاتما کے درشنوں کی زبردست خواہش ہے۔ مجھے اجازت دیجیئے۔ تا کہ میں اُنہیں ڈھونڈھ نکالوں۔ ممکن ہے۔ کہ کہیں ملاقات ہو جائے"۔

لاچار ماں باپ نے کڑی چھانی کرکے اجازت دیدی۔ اور لڑکا اُن سے رخصت ہو کر اپنے دھرم پتا کی تلاش میں روانہ ہوا۔ رستے میں اُسے ایک مہاتما ملا۔ لڑکے نے اُس مہاتما سے اپنا سب حال کہ کر اپنے دھرم پتا کا پتہ دریافت کیا۔

مہاتما یہ سُن کر بہت خوش ہوا۔ اور بولا کہ میں ہی تمہارا دھرم پتا ہوں۔ لڑکے نے اُسے اپنے گھر لے جانا چاہا۔ مگر مہاتما نے کہا۔ کہ اس وقت مجھے فرصت نہیں۔ میں ایک اور جگہ جا رہا ہوں۔ اس لیئے نہ میں تمہارے گھر جا سکتا ہوں۔ نہ تمہیں ساتھ ہی لے جا سکتا ہوں۔ تم کل سویرے ہی گھر سے نکل کر

مشرق کی طرف چل دینا - کچھ دُور چل کر جنگل ملیگا۔ وہاں ایک گھاٹی ہے - اُس گھاٹی میں آرام کرنا - اور جو تماشا وہاں نظر آئے - اُسے یاد رکھنا - پھر وہاں سے جنگل ختم ہونے پر تمہیں ایک باغ دکھلائی دیگا - اُس میں سُنہری کلس (گنبد) والا مکان میرا ہے - میں تمہیں دروازہ پر ہی مل جاؤنگا ۔

(۲)

اگلے روز وہ لڑکا اپنے دھرم پتا کی ہدایت کے مطابق اس گھاٹی میں پہنچا - کیا دیکھتا ہے - کہ ایک بڑے درخت میں رسّوں سے بندھا ہُوا ایک بھاری لکڑ لٹک رہا ہے - اور ٹھیک اُس کے نیچے ہی شہد کا بھرا ہُوا ایک کُنڈ ہے - لڑکا ایک طرف بیٹھ کر آرام کرنے لگا - تھوڑی دیر بعد اُسے ایک ریچھنی چار بچّوں سمیت آتی ہُوئی دکھائی دی - وہ چپکے سے ایک درخت پر چڑھ گیا - اور تماشا دیکھنے لگا - ریچھنی آکر اس لٹکتے ہُوئے لکڑ کو سر سے دھکیل کر شہد کھانے لگی - بچّے بھی اُس کے ساتھ شریک ہو گئے - اتنے میں وہ لکڑ پھر لوٹ کر آیا - اور ایک بچّے کی پیٹھ پر لگا - بچّے ڈر کر بھاگ گئے - ریچھنی نے لکڑ پھر سر سے دھکّا دیکر ہٹا دیا - اور سب مل کر شہد کھانے لگے - لیکن اب کی مرتبہ وہ لکڑ آکر ایسے زور سے لگا - کہ ایک بچّہ اس کی چوٹ سے مر گیا - اس پر ریچھنی کو غصّہ آیا - اور اس نے رسّے کو ایسا جھٹکا دیا - کہ رسّہ ٹوٹ کر لکڑ اُسی کے سر پر آگرا - اور وہ مر گئی - باقی بچّے جنگل میں بھاگ گئے ۔

لڑکا اس نظارے کا مطلب کچھ نہ سمجھا - اور وہاں سے

چل کر اپنے دھرم پتا کے پاس پہنچا- جو اُس کی آمد کا منتظر تھا- مہاتما نے اس لڑکے کو پیار کرکے چھاتی سے لگا لیا- اور تمام گھر کی سیر کرا کر ایک سربمُہر دروازہ پر لا کھڑا کیا- اور کہا کہ اس کمرے کے کھولنے کا کبھی دھیان نہ کرنا- ورنہ رتبھنی کا سا حال ہوگا ٭

اگلے روز مہاتما کہیں چلے گئے- اور وہ گھر کا مالک کی حیثیت سے وہاں رہنے لگا- ہوتے ہوتے دو تین برس گزر گئے- اس اثناء میں اُس کے دل پر کئی مرتبہ اس سربمُہر دروازہ کے کھولنے کا خیال پیدا ہُوا- مگر اُس نے اپنی طبیعت روک لی- لیکن ایک روز رات کے وقت اس کا دل بے قابُو ہو گیا- اور اس نے اس دروازہ کی مُہر توڑ ڈالی ٭

(۳)

دیکھتا کیا ہے- کہ اندر ایک بڑا دالان ہے- بیچ میں ایک جڑاؤ تخت بچھا ہُوا ہے- اور اُس پر ایک گُرز رکھا ہے- لڑکے نے جھٹ تخت پر چڑھ کر گُرز اُٹھا لیا- فوراً ہی دُنیا کے چودہ طبق آنکھوں کے سامنے کُھل گئے- دل میں آیا- چلو گاؤں کی سیر کرو- ماں باپ سے مل لو- یہ خیال دل میں آتے ہی اُس نے دیکھا- کہ اس کے گاؤں میں اس کے باپ کی کھیتی پکّی کھڑی ہے- اور گوبند چور رات کو چوری سے فصل کاٹ کر اپنے گھر لے جا رہا ہے- اُس نے فوراً اپنے باپ کو جگا کر چور کو پکڑوا دیا- اور اسے بعد میں سزا ہو گئی- پھر اُس نے سوچا- کہ چلو دھرم ماتا سے بھی مل لو- اس کا بیاہ ہو چکا تھا- اور اس وقت وہ

اور اس کا پتی[1] پڑے سو رہے تھے۔ اتنے ہی میں گیا دیکھتا ہے۔ کہ پتی اس عورت کو جو اس کی دھرم ماتا بنی تھی۔ سوتی ہی چھوڑ کر کسی اور عورت کے گھر چلا گیا۔ اس نے جھٹ اپنی دھرم ماتا کو جگا دیا۔ اور وہ اس دوسری عورت کے گھر جا کر اپنی سوتن سے مار پیٹ کرکے اپنے پتی کو نکال لائی۔
زاں بعد اُسے اپنی ماں کا دھیان آیا۔ تو اُس نے دیکھا۔ کہ اُس کی ماں پڑی سو رہی ہے۔ اور چور گھر میں گھس کر اُس کا صندوق توڑنے لگا ہے۔ اس نے ماں کو جگا دیا۔ چور اُسے مارنے دوڑا۔ لڑکے نے اپنی ماں کے بچانے کے لئے چور کے گرز مارا۔ چور مر گیا۔ لیکن زور میں گرز بھی اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ٭

(۴)

گرز کے چھوٹتے ہی سب نظارہ غائب ہو گیا۔ اور لڑکے نے اپنے آپ کو گھر کے دالان میں تخت پر پایا۔ اور دروازہ پر اپنے دھرم پتا کو کھڑے دیکھا ٭

مہاتما نے فوراً لڑکے کو تخت سے نیچے اُتار کر کہا۔ کہ آخر تم نے میرا کہا نہ مانا۔ اور پاپ میں پھنس گئے۔ پہلا پاپ یہ کیا۔ کہ دروازہ کی مُہر توڑی۔ دوسرا پاپ یہ کیا۔ کہ تخت پر بیٹھ کر گرز کو ہاتھ میں لیا۔ اور اتنا پاپ سنسار میں پھیلایا۔ کہ اگر کہیں آدھ گھنٹہ اور تم اس گرز کو ہاتھ میں لئے رہتے۔ تو دنیا میں آفت مچ جاتی ٭
لڑکا یہ سُن کر حیران رہ گیا۔ مہاتما نے کہا۔ دیکھو تمہاری اس کارروائی کا جو تم نے گرز ہاتھ میں لے کر کی ہے۔ کیا

[1] خاوند ٭

پھل ہوگا۔ وہ میں تم کو دکھلاتا ہوں۔ یہ کہہ کر مہاتما نے لڑکے کے مُنہ پر ہاتھ پھیرا۔ اور لڑکے نے دیکھا۔ کہ گوبند چور جیلخانہ میں رہ کر سب طرح کی بُرائیاں سیکھ آیا۔ اور اب اس کا سُدھار نا ممکن ہے۔ اس نے آتشِ انتقام سے جل بھُن کر اُس کے پِتا کے دو بیل چُرا لئے۔ اور اب وہ اس کے کھلیان میں آگ دینے کو تیار ہے۔ مہاتما نے یہ سب دکھا کر کہا۔ کہ "دیکھ! یہ سب تیری کرتوت ہے"۔ اس کے بعد اس نے اپنے پِتا کو کھلیان جلنے سے دریائے غم میں ڈوبا ہُوا دیکھا +

بعد ازاں مہاتما نے ایک اور نظارہ دکھلا کر کہا۔ کہ "یہ تیری دھرم ماتا کا پتی ہے۔ اس نے بدچلن ہو کر اپنی استری یعنی تیری دھرم ماتا کو چھوڑ دیا۔ اس کی پہلی معشوقہ بیسوا بن گئی۔ تیری دھرم ماتا غم میں پھنس کر شراب پینے لگی : اچھا! اب اپنی ماں کو دیکھ۔ وہ کہہ رہی ہے۔ کہ "کیا اچھا ہوتا۔ اگر چور مجھے اسی رات مار جاتے۔ اور میں بہت سے پاپوں سے بچ جاتی"۔ پھر اس مہاتما نے اپنے دھرم پُتر کو جیل کا نظارہ دکھایا۔ کہ جس میں دو سپاہی ایک ڈاکو کو پکڑے کھڑے تھے۔ اور کہا۔ کہ دیکھ! اس ڈاکو نے دس آدمیوں کو مارا ہے۔ مُناسب تھا۔ کہ وہ اپنے بُرے کاموں سے توبہ کر کے اپنی آئندہ زندگی میں اس کا کفّارہ کرتا۔ مگر تُو نے اسے مار کر ایسا کرنے کا موقع نہیں دیا۔ تو اس کا سب گناہ اپنے سر پر لے لیا۔ انسان کو اپنے گناہوں کا پھل ضرور بھُگتنا پڑتا ہے۔ اگر تُو پچھلی والا نظارہ یاد رکھتا۔

تو تیری یہ حالت نہ ہوتی - اب اس پاپ سے تو اِس طرح چھوٹ سکتا ہے - کہ تیس سال تک تپ کرکے اِس ڈاکو کے پاپوں کا پرائشچت کرے (کفارہ بھرے) - ورنہ اسکے بدلے تجھے نرک بھوگنا پڑیگا ٭

لڑکا - "یہ پرائشچت میں کیسے کر سکتا ہوں" ٭

مہاتما - "جو پاپ تو نے پھیلایا ہے - اس کا دُور کرنا ہی پرائشچت ہے - اور یہ اس طرح ہو سکتا ہے - کہ تو پُورب کی طرف چلا جا - وہاں تجھے ایک کھیت میں کچھ آدمی ملینگے - اپنی عقل کے مطابق انہیں اُپدیش دینا - اور راستے میں جو کچھ دیکھے - اُسے یاد رکھنا - چوتھے دن تو ایک جنگل میں پہنچیگا - وہاں تجھے ایک سادھو ملیگا - اس کے اُپدیش کے موافق تپ کرنے سے تیرا پاپ دُور ہوگا ٭

یہ سُن کر لڑکا وہاں سے رُخصت ہُوا ٭

(۵)

راستے میں لڑکے کے دل میں یہ خیال پیدا ہُوا - کہ پاپیوں کو سزا دئے بغیر دُنیا سے پاپوں کا دُور ہونا ناممکن ہے - آگے چل کر اُس نے دیکھا - کہ ایک کھیت میں ایک بچھڑا گھسا ہُوا ہے - لوگ اسے باہر نکال رہے ہیں - اور وہ نہیں نکلتا - باہر کھڑی ہُوئی ایک بُڑھیا پکارتی ہے "میرے بچھڑے کو کیوں مارتے ہو" ؟ لڑکے نے کسانوں کو سمجھایا - "بچھڑے کو چھوڑ دو - بُڑھیا خود بُلا لیگی" - کسان مان گئے - بُڑھیا نے تھوڑا سا گھاس ہاتھ میں لیکر بچھڑے کو بُلایا - وہ نکل آیا - اور بُڑھیا کو پیار کرنے لگا ٭

اِس واقع سے دھرم پُتر اتنا سمجھ گیا۔ کہ ڈنڈا اور سزا سے پاپ بڑھتا ہے۔ کم نہیں ہوتا۔ لیکن پاپ کم کس طرح ہو سکتا ہے۔ یہ اس کی سمجھ میں نہیں آیا ۰

آگے چل کر ایک گاؤں میں پہنچا۔ اور وہاں ایک کسان کے گھر جا کر ٹھیرا۔ تو دیکھا۔ کہ ایک عورت ایک پتھر کی چوکی پر پانی ڈال کر اُسے مَیلے کپڑے سے صاف کر رہی ہے مگر چوکی صاف ہونے کی بجائے اس پر اُلٹا کپڑے کا مَیل چھُٹ چھُٹ کر لگ جاتا ہے۔ اور جتنا وُہ اُسے صاف کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اُتنی ہی وہ چوکی مَیلی ہو جاتی ہے۔ لڑکے نے اُسے سمجھایا۔ کہ کپڑے کو خوب دھو لو۔ اور پھر چوکی کو اس سے صاف کرو۔ عورت نے ایسا ہی کیا۔ اور چوکی صاف ہو گئی۔ وہاں سے چل کر لڑکے نے ایک جگہ دیکھا۔ کہ کچھ آدمی ایک لوہے کی سلاخ کولھو میں لگا کر موڑنا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ مُڑتی نہیں۔ اور لوگ خود ہی اس کے موڑنے کی کوشش میں چکّر کھا جاتے ہیں۔ کیونکہ سلاخ پر زور پڑتے ہی کولھو گھوم جاتا ہے۔ لڑکے نے انہیں سمجھایا۔ کہ اگر تم اسے موڑنا چاہتے ہو۔ تو ایسی جگہ پر لگاؤ۔ جو زور پڑنے پر کولھو کی طرح خود نہ گھومے۔ چنانچہ اُن آدمیوں نے ایسا ہی کیا۔ اور سلاخ آسانی سے مُڑ گئی ۰

آگے اُسے کچھ چرواہے ملے۔ جو تاپنے کے لئے آگ جلانا چاہتے تھے۔ لیکن آگ اُن سے نہ جلتی تھی۔ کیونکہ آگ کے کسی قدر سُلگتے ہی وہ اُس پر ہرا گھاس ڈال کر بجھا دیتے تھے۔ لڑکے نے انہیں سمجھایا۔ کہ "بھائیو! تھوڑی دیر

रियाज़त = तप जौक़ जौक़ = समूह बांध कर

तुर्की भाषा का जुक़ शब्द है। अरबी, अपभ्रंश (मुअर्रब) जौक़।

صبر کرو۔ اور اس آگ کو اچھی طرح سُلگ جانے دو۔ اس وقت اس پر جو کچھ ڈالو گے۔ بھسم ہو جائیگا"۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور آگ جلنے لگی ٭

یہ سب باتیں ہُوئیں تو سہی۔ لیکن لڑکے کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ کہ ان کا کیا مطلب تھا ٭ ۲۵ جون سنہ ۱۹۳۰ء

(٦)

چوتھے دن وہ جنگل میں اس مہاتما کی کُٹیا پر پہنچ گیا۔ جس کا پتہ اُسے بتایا گیا تھا۔ مہاتما نے سب حال سُن کر اُسے ساتھ لیا۔ اور اس سے ایک درخت کٹوا کر اس کے تنے کے تین حصے کیئے۔ اور انہیں ایک طرف سے جلا کر جلی ہُوئی طرف سے زمین میں گاڑ دیا۔ اور پھر ندی کے پاس لے جا کر کہا۔ کہ یہاں سے مُنہ میں پانی بھر کر اُن جلے ہُوئے ٹھنٹھوں کو سینچا کرو۔ جب یہ ہرے ہو جائیں تو سمجھنا۔ کہ تمہارے پاپوں کا پرایشچت ہو گیا ٭

یہ کہہ کر سادھو نے شریر تیاگ دیا۔[1] لڑکا اس کے داہ کرم (جلانے وغیرہ) سے فارغ ہو کر اپنے تپ میں لگ گیا۔ اور اس کی ریاضت کی شہرت (कीर्ति) سُن کر لوگ جوق جوق چڑھاوا لانے لگے۔ مگر جتنا اُس سے کھایا جاتا۔ کھا کر باقی وہ محتاجوں کو تقسیم کر دیتا۔ جس سے اُس کی مانتا[2] اور بھی بڑھنے لگی۔ اسی طرح دو برس گزر گئے۔ لیکن ایک ٹھنٹھ بھی ہرا نہ ہُوا ٭

(٧)

ایک دن ایک ڈاکو کُٹیا کے پاس سے گزرا۔ لڑکے کے

۱؎ جسم چھوڑ دیا یعنی مر گیا۔ ۲؎ عزّت۔ قدر ٭

۱. محتاج (احتیاج) = आवश्यकता मुहताज = आवश्यकता युक्त

پوچھنے پر اس نے جواب دیا۔ کہ "میں ڈاکو ہوں۔ اور لوگوں کو لوٹ کر ان کے مال پر مزے اڑاتا ہوں"۔ لڑکے نے ڈر کر اپنے دل میں خیال کیا۔ کہ اس کا سدھار مشکل ہے۔ اور لوگ میرے پاس آ کر اپنے پاپوں پر افسوس کرتے ہیں مگر یہ ان پر فخر کرتا ہے۔ اگر یہ یہاں آتا جاتا رہا۔ تو لوگ اس کے ڈر کے مارے یہاں آنا چھوڑ دینگے۔ اس لئے اس نے ڈاکو سے کہا۔ "بھائی کیا تمہیں ایشور کا ڈر نہیں جو ایسا برا کام کر کے اس پر فخر کرتے ہو۔ دیکھو تمہارے یہاں آنے سے لوگ خوف کے مارے میرے پاس نہیں آئینگے۔ اس لئے پھر یہاں نہ آنا"۔

ڈاکو نے کہا۔ "میں پرماتما سے نہیں ڈرتا۔ وہ میرا کر ہی کیا سکتا ہے۔ چوری اور ڈاکے میں پاپ ہی کیا ہے۔ تو تپ کے بہانے سے لوگوں کو ٹھگ کر کھاتا ہے۔ میں اپنے بل سے انہیں مار کر اور ان سے چھین کر اپنا پیٹ بھرتا ہوں۔ کل ہی پرماتما کے نام پر دو آدمیوں کو مارا ہے۔ لیکن میں تیرے خون میں ہاتھ رنگنا نہیں چاہتا۔ جا۔ پھر میرے منہ نہ لگنا"۔

(۸)

یہ کہہ کر ڈاکو وہاں سے چل دیا۔ اسی طرح اس کو وہاں رہتے آٹھ برس گذر گئے۔ ڈاکو اس طرف سے اکثر آتا جاتا رہا۔ اس لئے اور لوگوں نے ادھر سے آنا جانا اور اس لڑکے کے لئے جو بڑا سادھو مہاتما سمجھا جانے لگا تھا۔ بھینٹ پوجا لانا چھوڑ دیا۔ جس کا لڑکے کو بڑا رنج

ہُوا۔ لیکن ایک روز خود بخود اسے خیال آیا۔ کہ ڈاکو سچ کہتا تھا۔ مَیں نے تو تپ کو دُنیا کے ٹھگنے کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔ اسی واسطے اب مجھے چڑھاوا نہ آنے کا رنج ہوتا ہے۔ مگر مَیں تو یہ تپ پرایشچت کے لئے کرتا تھا۔ اچھا تپ کیا۔ کہ مہنت ہی بن کر بیٹھ گیا۔ اور اپنے آپ کو پُجوانے لگا۔ ہائے! مَیں نے پچھلے پاپ مٹانے کی بجائے اَور پاپ بڑھا لیے۔ اس لئے اب اِس کُٹیا کو ہی چھوڑ کر جنگل میں کہیں اَور ڈیرا لگاؤ۔ جہاں کوئی آ جا نہ سکے۔

(۹)

یہ سوچ کر کُٹیا سے نکل جنگل کی طرف چل دیا۔ راستے میں وُہی ڈاکو ملا۔ اُس نے پُوچھا۔ "کہاں جاتے ہو؟" اس نے کہا۔ "گوشہ نشینی کے لئے"۔ پُوچھا۔ کہ "پیٹ کہاں سے بھرو گے"؟ جواب دیا۔ "پرماتما بھیجیگا"۔

ڈاکو یہ سُن کر چل دیا۔ اور اس وقت نوجوان سادھو کے دل میں خیال پیدا ہُوا۔ کہ آج ڈاکو کا چہرہ کسی قدر شانت تھا۔ مَیں نے اُسے اُپدیش کیوں نہیں دیا۔ شاید وہ مان ہی جاتا۔ پھر لوٹا۔ اور ڈاکو کو آواز دیکر کہنے لگا۔ "اب بھی مان جاؤ۔ اور یہ بُرا کام چھوڑ دو"۔ ڈاکو نے چھُرا دکھلا کر کہا۔ "جا! چُپ چاپ چلا جا۔ نہیں تو یہیں آنتیں نکال دُونگا"۔

یہ سُن کر وہ سادھو ڈر کے مارے چُپ چاپ جنگل میں گھُس گیا۔ اگلے روز ٹھنٹھوں کو پانی دینے گیا۔ تو دیکھا۔ کہ ایک ٹھنٹھ ہرا ہو گیا۔

१. सर्फ = व्यय, मसरूफ = लगा हुआ

व्ययित ; व्याप्रृत

(۱۰)

اب یہ نوجوان سادھو گوشہ نشین ہو کر رہنے لگا۔ ایک دن بھوک سے بے قابو ہو کر وہ کچھ جنگلی پھل وغیرہ کھانے کے لئے باہر نکلا۔ تو دیکھتا کیا ہے :۔ کہ ایک درخت پر کپڑے میں بندھی ہوئی روٹیاں لٹک رہی ہیں۔ وہ روٹی لیکر اپنی گُفا میں لوٹ آیا۔ اور پھر اپنے تپ میں مصروف ہُوا۔ اسی طرح جب اُسے بھوک لگتی۔ تو وُہ کُٹیا سے نکلتا۔ اور روٹیاں جو اُسے درخت پر لٹکی ہوئی ملتیں۔ لیکر پھر آ جاتا۔ مگر اُسے ڈاکو کا خوف بہت ستاتا تھا۔ دو سال گزر جانے پر ایک دن خود بخود اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ" مرنے سے ڈرنا ہی کیا ہے۔ کال سے کون بچ سکتا ہے۔ اور بن آئی کون مرتا ہے۔ ڈاکو میرا کر ہی کیا سکتا ہے۔ میں اُسے ضرور اُپدیش کرونگا۔ تا کہ وہ گناہوں سے باز رہے"

یہ گیان ہوتے ہی وُہ ڈاکو کی کھوج میں کُٹیا سے نکل کھڑا ہوا۔ کچھ دُور جانے پر ہی سامنے سے اُسے ڈاکو آتا دکھائی دیا۔ اس نے ایک آدمی کو ہاتھ پیر باندھ کر گھوڑے پر اپنے سامنے ڈال رکھا تھا۔

سادھو نے مُسکرا کر پُوچھا۔" بھائی ڈاکو! یہ کون ہے اور اسے کہاں لئے جاتے ہو"؟

ڈاکو بولا۔" نہیں کیا۔ یہ ایک مالدار سوداگر کا لڑکا ہے۔ اپنے باپ کے دھن کا پتہ نہیں بتاتا۔ میں اِس لئے اسے پکڑ لایا ہوں۔ کہ اگر اس نے پتہ بتا دیا تو خیر۔

ورنہ اسے مار ڈالونگا۔ یا اس کا باپ اُس کے بدلے میں بہت سے روپے دیکر اُسے چھڑا لے جائیگا"۔

سادھو نے کہا۔"بھائی! ایسا مت کرو۔ ایشور سے ڈر کر اسے چھوڑ دو"۔

ڈاکو بولا۔"جاتا بھی ہے۔ یا ابھی برچھا مار کر ڈھیر کر دوں"۔

سادھو نے کہا۔"اگر مالک کی مرضی یہی ہے۔ تو یوں ہی سہی۔ ایک دن مرنا ہی تو ہے۔ مگر پرماتما کا حکم یہی ہے۔ کہ اس نوجوان کو چھڑوا دیا جائے"۔

ڈاکو بولا۔"اچھا لو! تمہارے کہنے پر آج اسے چھوڑ دیتا ہوں۔ مگر دیکھو۔ اگر پھر تم میرے راستے میں آئے۔ تو میں تمہیں ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ سیدھا جہنم کو روانہ کرونگا"۔

سادھو نے جواب دیا۔"بھائی یہ تو دیکھا جائیگا۔ مگر تم چوری ڈکیتی چھوڑ دو"۔

ڈاکو نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ اور گھوڑا مارے آگے چل دیا۔

شام کے وقت سادھو ان ٹھنٹھوں کو سینچنے جو گیا۔ تو کیا دیکھتا ہے۔ کہ دُوسرا ٹھنٹھ بھی ہرا ہو گیا ہے۔

(١١)

اس طرح ابھے پد (درجۂ بے خوفی) ملنے پر آنند سے تپ کرتے ہوئے اُسے دس سال گزر گئے۔ تو ایک روز اُس کے من میں یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ دیالو اور کرپالو پرماتما نے

سنسار ہمارے سکھ کے لئے بنایا ہے۔ لیکن پھر بھی دُنیا دُکھ میں پھنسی ہے۔ اس کا باعث اگیانؔ ہے۔ مجھے اس تپ سے جو گیانؔ ہُوا ہے۔ اُسے تنہائی میں رہ کر برباد کرنا پاپ ہے۔ چلو پریم سے سب کو یہ گیان دیکر دُکھ سے چھڑاؤ ٭

یہ سوچ کر وہ کُٹیا سے نکلا۔ دُور سے اُسے وُہی ڈاکو پیدل آتا ہُوا دکھائی دیا۔ پہلے تو سوچا۔ کہ اس کو سمجھانے سے کیا فائدہ؟ یہ کسی کی مانتا تو ہے ہی نہیں۔ اتنی دفعہ سمجھا چُکا ہوں۔ مگر وہ سنتا ہی نہیں۔ لیکن پھر اس کے دل میں خیال پیدا ہُوا۔ کہ میرا تو کام ہی یہ ہے کہ جانداروں میں پریم اور دیا پیدا کروں۔ اِسے ہی نہ سدھارا تو کیا کیا؟

ڈاکو کے پاس آنے پر سادھو نے دیکھا۔ کہ ڈاکو آج کچھ اُداس ہے۔ اور اُس کی آنکھیں زمین کی طرف جُھکی ہوئی ہیں۔ پریم سے بولا "بھائی صاحب! اب بھی اپنے آپ کو پہچانو۔ پرماتما کا مندر تمہارے من میں ہے۔ اس میں بُرے خیالات لا کر اسے ناپاک نہ کرو۔ اگیان کے بس میں ہو کر کیوں دوسرے کو ستاتے ہو۔ اور اپنا جنم بگاڑتے ہو۔ میری بات مانو۔ اور اپنا سب کچھ برباد مت کرو۔ مان جاؤ! پیارے بھائی مان جاؤ!"

ڈاکو۔ "دیکھو! میں نے تم سے کتنی مرتبہ کہا۔ مگر تم باز نہیں آتے۔ مجھے خواہ مخواہ چھیڑتے ہو (تلوار کھینچ کر) ہٹ جاؤ۔ ورنہ مار ڈالوں گا"٭

لہ جہالت ٭ ٢ہ علم ٭

سادھو نے ڈاکو کی اس دھمکی کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اور پریم سے بے بس ہو کر اُسے لپٹ گیا۔ اور رو کر کہنے لگا۔ "بھائی! اب بھی مان جاؤ۔ پاپوں کے راستہ پر چلنے سے باز آؤ۔ اور دھرم کے سُکھ دینے اور بہتری کرنے والے راستہ پر چلو۔ پرماتما سے ڈرو۔ اور لوٹ مار چھوڑ دو"۔

(۱۲)

آخر کار ڈاکو کی آنکھ کھل گئی۔ اور وہ اس کے پاؤں پر گر کر بولا۔ "مہاراج! آج مجھے آپ نے فتح کر لیا۔ آج سے میں آپ کی شرن[۱] میں آکر اس بُرے کام کو چھوڑتا ہوں۔ دیکھو! پہلے جب آپ نے مجھے اُپدیش دیا تھا۔ تو میں بہت بگڑا ہوا تھا۔ جب آپ سادھو پنے کا سب بھروپ چھوڑ کر تنہائی میں رہنے لگے۔ تو مجھ پر کچھ اثر ہوا۔ میں سمجھا کہ آپ پورن بیراگی[۲] ہو گئے۔ اور میں آپ کے بھوجن کے لئے سخت پر روٹی لٹکانے لگا۔"

اس وقت سادھو سمجھا۔ کہ وہ عورت جس طرح میلے کپڑے کو صاف کئے بغیر چوکی صاف نہ کر سکتی تھی۔ اسی طرح میں بھی اپنا من میل سے پاک کئے بغیر دوسروں کے من کو پاکیزہ نہیں بنا سکتا تھا۔

ڈاکو پھر بولا۔ "جب آپ موت سے بے خوف ہو کر میرے راستے میں آ ڈٹے۔ تو مجھے اس سوداگر بچے کو چھوڑنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا۔" اس سے سادھو کو گیان ہوا کہ جس طرح کوٹھو میں لگانے سے لوہے کی سلاخ

۱؎ پناہ ۔ ۲؎ پورے تارک الدنیا ۔

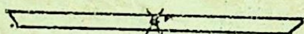
نہیں مُڑ سکتی تھی۔ اسی طرح اپنا من ایک طرف لگائے بغیر دوسروں کے من کو موڑنا بھی ناممکن ہے
بعد ازآں ڈاکو نے کہا۔ کہ "جب آپ پریم روپ ہو کر مجھ سے لپٹ گئے۔ اور مجھے رو رو کر اُپدیش کرنے لگے۔ تو میں بالکل ہی بے بس ہو گیا۔ اور آپ کے چرنوں پر گرے بغیر مجھ سے نہ رہا گیا"۔

یہ سُن کر سادھو نے اُسے پھر چھاتی سے لگا لیا۔ اور سمجھ گیا۔ کہ جس طرح دھیمی آگ پر ہری گھاس پڑنے سے آگ اُس گھاس کو نہیں جلا سکتی تھی بلکہ خود ہی بجھ جاتی تھی۔ اسی طرح جب تک انسان کا اپنا دل خوب گیان کی آگ سے روشن نہ ہو جائے۔ وہ غیروں کے دلوں کو روشن نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد وہ سادھو اس ڈاکو کو اپنے ساتھ لئے اپنی جھونپڑی پر آیا۔ راستے میں وہ اس جگہ کے پاس سے گزرے۔ جہاں تینوں ٹھُنٹھ لگائے گئے تھے۔ اور جن میں سے دو تو سرسبز ہو چکے تھے۔ مگر تیسرا ابھی باقی تھا۔ اور جیسے وہ سادھو روز اپنے حسب معمول ندی سے مُنہ میں پانی لا کر سینچا کرتا تھا۔ لیکن اب ان کے پاس جا کر دیکھا۔ تو تینوں ہرے بھرے نظر آئے۔ سادھو کے آنند کی کوئی حد نہ رہی۔ اور اُس نے ڈاکو سے اپنا سب ماجرا ظاہر کر کے کہا۔ کہ "اب مَیں جلد ہی یہاں سے چلا جاؤں گا"۔

ڈاکو یہ سُن کر پریم کے مارے سادھو کے چرنوں
میں گر پڑا - اور بولا - "مہاراج پہلے مجھے چیلا بنا کر
بھوساگر[1] سے پار کرتے جائیے - پھر کہیں جائیے" +
یہ سُن کر سادھو نے اس ڈاکو کو اُٹھا کر اپنی
چھاتی سے لگا لیا - اور اسے اپنا چیلا بنا کر مناسب
اُپدیش دیا - اور تپ کے ذریعے من اور اندریوں[2] کے
پاک کرنے کا طریقہ بتا کر آپ سنسار میں[3] گھوم کر سب
کو پریم سے اُپدیش دینا اور سب کا اُپکار کرنا شروع
کیا - ڈاکو بھی بڑی مستعدی سے اپنے گرو کے حکم کے
مطابق تپ میں مشغول ہوا - اور اپنا جیون سپھل کرنے
لگا +

۲۸ جون سنہ ۱۹۳۰ء



[1] دنیاوی آفتوں کے سمندر + [2] حواسوں + [3] بھلائی +

1. देहर = संसार. दहरिया = संसार को सब कुछ मानने वाला. 2. जला = निकाला. वतन = घर

چھٹی کہانی

پرماتما کہاں ہیں؟

(۱)

صوبۂ بمبئی کے شہر سُورت میں ایک چاء کی دُکان پر دُور و نزدیک کے ملکوں کے رہنے والے چاء پینے آتے ہیں۔ ایک دن وہاں ایک ایرانی مُلّا بھی آ پہنچا اُس نے اپنی ساری جوانی پرمیشر کا اصلی روپ[۱] جاننے اور اسی مضمون پر کتابیں لکھنے اور پڑھنے میں گزاری تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ وہ ناستک[۲] ہی ہو گیا۔ اور دہریہ پن کا پرچار[۳] کرنے لگا۔ شاہِ ایران نے اس کی یہ روش پسند نہ کرکے اس کو جلاوطن کر دیا۔ افسوس! تمام عمر دُنیا کے بنانے والے کی تلاش کرتا ہُوا۔ یہ بد قسمت انسان آخر میں خود علم و عقل کو جواب دیکر یہ ماننے پر اُتر آیا۔ کہ اس جہان کا کوئی بنانیوالا ہی نہیں۔

اس کے ساتھ اس کا ایک حبشی غلام بھی تھا۔ مُلّا تو دُکان میں چلا گیا۔ لیکن حبشی باہر دھوپ میں بیٹھ گیا۔ مُلّا نے افیم کی گولی چڑھا کر اُوپر سے چاء کی پیالی پی۔ اور پھر اپنے حبشی غلام کو بُلا کر نشے کی ترنگ میں اس سے یُوں بات چیت کرنے لگا:-

۱ شکل و صورت + ۲ خدا سے منکر + ۳ وعظ +

मुतबर्रिक = पवित्र १. आक़ा = स्वामी, २. क़ादिर = बलवान २ कुव्वत = ताक़त
१. मुतलक़ = स्वतंत्र.

مُلّا۔ "ابے نالائق! بتا۔ خُدا کہیں ہے یا نہیں"؟
حبشی۔ "حضرت! کہیں خُدا کے ہونے میں بھی شک ہو سکتا ہے۔ خُدا ہے اور ضرور ہے۔ (ایک کاٹھ کا پُتلا دکھا کر) یہ دیکھیے! یہ میرا خُدا ہے۔ جو ہمیشہ میری حفاظت کرتا ہے۔ ہمارے ملک میں اس لکڑی کو جس کا یہ بنا ہُوا ہے۔ بہت متبرّک سمجھتے ہیں"

तबर्रुक = पवित्रता, प्रसाद.

(۲)

جب مُلّا اور اُس کے حبشی غُلام میں یہ بات چیت ہو رہی تھی۔ تب اور بھی بہت سے آدمی اس دُکان میں موجود تھے۔ چنانچہ ان دونو آقا اور غلام کی گفتگو سُن کر ایک برہمن بولا "ارے رام رام! تُو تو بڑا مورکھ ہے۔ پرماتما کہیں جیب میں سما سکتا ہے۔ وہ تو ادّوتیہ (لاثانی) سارے جگت کا کرتا (بنانے والا) اور ہرتا (بگاڑنے والا) ہے۔ اس سرو شکتیمان (قادرِ مُطلق) کے مندر تو شری گنگا جی کے کنارے بنے ہُوئے ہیں۔ وہاں کے پُجاری ہی اس پرماتما کا اصلی روپ جانتے ہیں۔ اور کوئی کب جان سکتا ہے۔ ہزاروں سال کے اُلٹ پھیر سے بھی ان پجاریوں کی عزّت اور طاقت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ جس سے ظاہر ہے۔ کہ بھگوان خود ان کی حفاظت کرتے ہیں"

२८ जून सन् १९३० ई०.

(۳)

یہ سُن کر ایک یہودی بولا۔ "ہرگز نہیں! ہرگز نہیں!! اس سچّے خداوند کا گھر ہندوستان میں نہیں۔ نور تو وہ

परमेश्वर

१ मूसा के अनुयायी

۱ بیوقوف

برہمنوں کی حفاظت کرتا ہے۔ برہمنوں کا بھگوان سچّا نہیں ہے۔ سچّا خدا ابراہیم۔ اسحاق اور یعقوب کا خُدا ہے۔ وہ سوائے بنی اسرائیل کے اَور کسی کی حفاظت نہیں کرتا۔ روز ازل سے ہماری قوم خدا کی پیاری قوم ہے۔ آجکل ہم لوگ جو گرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ در اصل ہمارے اِمتحان کا زمانہ ہے۔ کیونکہ خُدا ہمیں قول دے چُکا ہے۔ کہ وہ ایک دن ہم سب کو یروشلم میں جمع کریگا۔ اور اس وقت وہاں کے قدیم مندر کی شان دو بالا ہو کر کل دُنیا پر ہماری بادشاہت قائم ہو جائیگی!

(۴)

یہودی نے یہ لفظ ایسے جوش اور عقیدت سے کہے۔ کہ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں پریم کے آنسو جھلک آئے۔ مگر ایک رومن کیتھولک پادری صاحب یہ سُن کر بہت بگڑے۔ اور بولے "جھوٹ! جھوٹ!! بالکل جھوٹ!!! تم خداوند خُدا کو غیر منصف ٹھیراتے ہو۔ وہ سب سے اُلفت کرتا ہے۔ صرف تم سے ہی نہیں۔ مانا کہ وہ زمانۂ گزشتہ میں تمہاری امداد کرتا تھا۔ لیکن ۱۹۰۰ برس ہُوئے وہ خُداوند خدا تم سے ناراض ہو گیا۔ اس لیۓ آج کوئی بھی آدمی تمہارا مذہب قبول نہیں کرتا۔ اور وہ دن بہ دن گھٹتا جا رہا ہے۔ خُدا اگرچہ سب کو ایک نظر سے دیکھنے والا ہے۔ مگر رومن کیتھولک مذہب قبول کئے بِنا نجات ملنی نا ممکن ہے"۔

یہ سُن کر ایک پروٹسٹنٹ پادری بولا "پادری صاحب

یہاں آپ نے بھی غلطی کھائی - کہ نجات کے لئے رومن کیتھولک ہونا ضروری ہے - کیونکہ خداوند مسیح کا قول ہے - کہ "جو شخص دل - زبان اور فعل سے انجیل پر بھروسہ رکھے گا - وہ ضرور نجات حاصل کریگا" ؛

(۵)

پادریوں کی یہ باتیں سُن کر ایک تُرک بگڑ کر بولا "لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ تم سب کا عقیدہ بالکل غلط ہے صرف تیرہ سَو برس ہُوئے - حضرت محمد رسول اللّٰہ خاتم المرسلین نے سچّا دین پھیلا کر سب مذہبوں کو ردّ کر دیا - کیا تم نہیں دیکھتے - کہ یورپ - ایشیا اور چین میں دینِ اسلام کی روشنی کس تیزی سے پھیل رہی ہے - تم خود جانتے ہو - کہ خُدا یہودیوں سے خفا ہے - پھر اسلام قبول کرنے میں کیا تامّل ہے ؟ حضرت خاتم المرسلین کی شفاعت کے بغیر نجات ناممکن ہے - شیعہ بھی کافر ہیں - صرف سُنّی جماعت بنو - اور اصلی رَبّ کو پاؤ ؛

(۶)

پاس ہی - ایک ایرانی حضرت علیؓ کا پیرو موجود تھا - تُرک کی آخری بات سُن کر اُس کے تن بدن میں آگ لگ گئی - وہ کچھ جواب دیا ہی چاہتا تھا - کہ اور حبشیوں - عیسائیوں - تبّت کے رہنے والے لاماؤں اور نیامیوں وغیرہ میں مذہبی باتیں ہوتے ہوتے تکرار ہو پڑی - اور خُوب شور و غُل مچ گیا - اس لئے سب اس طرف متوجہ ہو گئے - اور ایرانی کے دل کی دل ہی میں

رہ گئی۔ وہ کچھ نہ بول سکا۔ جھگڑا کرنے والوں میں سے
ہر شخص یہی کہتا تھا۔ کہ میرے ہی ملک میں سچا خدا ہے۔
اور ہم ہی اصلی طریقے سے اس کی پوجا کرتے ہیں۔ غرضیکہ
ایسی ہلچل مچی ہوئی تھی۔ کہ کان پڑی آواز سنائی نہ
دیتی تھی ✤

(۷)

اِس طوفان۔ بدتمیزی میں ایک چینی تھا۔ جو مزے سے
ایک میز پر بیٹھا ہوا چائے پی رہا تھا۔ اور اس ہُلّڑ کو دیکھ کر
کبھی کبھی مسکرا دیتا تھا ✤

ترک نے اُسے بھی سُنّی مسلمان سمجھ کر کہا۔ "بھائی
صاحب! تم چُپ چاپ کیوں بیٹھے ہو؟ میرے کلام کی تائید
کیوں نہیں کرتے؟ مجھ سے جتنے چینی سوداگر ملے ہیں۔
انہوں نے یہی بتلایا ہے۔ کہ آپ لوگ سب مذہبوں سے
اسلام کو برتر سمجھتے ہیں۔ اس موقع پر آپ کو بھی ضرور
اپنی رائے کا اظہار کرنا چاہئے"

یہ سُن کر چینی نے ہنس کر کہا۔ "بھائیو! خاموش ہو
جاؤ! جو میں کہتا ہوں۔ اُسے سنو! میری رائے میں ان
مذہبی جھگڑوں کی اصلی جڑ جہالت ہے۔ اس کے متعلق
میں آپ کو ایک کہانی سناتا ہوں ✤

کہانی کا نام سنتے ہی سب لوگ مذہبی قیل و قال
چھوڑ کر ہمہ تن گوش ہو گئے۔ اور فوراً تمام قہوہ خانہ
مین خاموشی چھا گئی ✤

(۸)

چینی بولا۔ "دوستو! میں جس جہاز میں چین سے یہاں آیا ہوں۔ وہ ساری دنیا کے گرد گھوم چکا ہے۔ آتے ہوئے پانی لینے کے لئے ایک دن ایک جزیرہ کے مشرقی ساحل پر ٹھہر گئے۔ کنارے پر ناریل کے درخت کھڑے تھے ہم سب جہاز سے اُتر کر اُن درختوں کے سائے میں جا کر بیٹھ گئے۔

اتنے میں وہاں ایک اندھا آیا۔ اس سے بات چیت کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا۔ کہ سورج کیا ہے؟ اس لئے اس نے سورج پر لگاتار اپنی نظر جمائی۔ اور آنکھیں بھی کھو بیٹھا۔ اس نے ہمارے پاس آ کر اپنی انوکھی منطق اس طرح شروع کی:-

(۹)

"دیکھو! سورج کی روشنی پانی کی مانند نہیں۔ کیونکہ ہم اسے پانی کی طرح ایک برتن سے دوسرے برتن میں نہیں ڈال سکتے۔ ہوا سے ہلا بھی نہیں سکتے۔ وہ آگ بھی نہیں۔ کیونکہ اگر آگ ہوتی۔ تو جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ اُسے بھی بجھا دیتا۔ یہ آتما (روح) بھی نہیں۔ کیونکہ آتما کسی کو دکھائی نہیں دیتی۔ اور اسے سب آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں۔ مادہ بھی نہیں۔ کیونکہ مادہ ہمیشہ یکساں نہیں رہتا۔ اور یہ ہمیشہ ایک سی بنی رہتی ہے۔ بس ثابت ہوا۔ کہ سورج کی روشنی نہ پانی ہے نہ آگ۔ نہ روح ہے نہ مادہ۔ تو پھر کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں"۔

اس طرح وہ سچا علم پانے کی کوشش کرتا ہوا آخر

میں اندھا ہو کر یہ مان بیٹھا۔ کہ سُورج ہے ہی نہیں۔
اس اندھے کے ساتھ ایک نوکر تھا۔ اندھا تو ہم سے
باتیں کرتا رہا۔ اتنے میں اس کے نوکر نے ناریل کے ریشے
اور دُودھ سے ایک موم بتّی بنا لی ؛
اندھا نوکر سے بولا۔ دیکھ بھائی! کیسا اندھیرا ہے؟
مَیں نے تم سے ٹھیک کہا تھا۔ کہ سُورج کچھ بھی نہیں۔
سب لوگ جھک مارتے ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ سُورج ہے۔
لیکن مَیں ان سے پُوچھتا ہوں۔ کہ سُورج کیا ہے؟
نوکر نے جواب دیا۔ سورج کیا ہے؟ یہ جاننے سے تو مجھے
کچھ مطلب نہیں۔ ہاں روشنی کو مَیں اچھی طرح سے جانتا
ہوں۔ دیکھئے مَیں نے یہ موم بتّی بنائی ہے۔ یہی میرا
سُورج ہے۔ رات کو اسی کی مدد سے میں سب کام
کر سکتا ہُوں" ؛ ۲ جولائی ۱۹۳۰ء

(۱۰)

پاس ہی اس جزیرہ کا ایک لنگڑا بیٹھا تھا۔ وہ یہ سُن
کر ہنسا اور کہنے لگا۔ کہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ پیدائشی
اندھے ہیں۔ اسی لئے کہتے ہیں۔ کہ سُورج ہے ہی نہیں
سُنو! سُورج آگ کا ایک گولا ہے۔ جو صبح کے وقت
ہمیشہ سمندر سے نکلتا ہے۔ اور رات کو ہمارے ٹاپو کے
پہاڑوں میں جا چھپتا ہے۔ مجھے افسوس ہے۔ کہ آپ کے
آنکھ نہیں۔ ورنہ آپ خود ہی یہ دیکھ لیتے ؛
یہ باتیں سُن کر ایک ماہی گیر جو کہیں سے آ نکلا تھا
خُوب ہنسا۔ اور بولا۔" واہ جی واہ! اس عقل کا بھی

१. माही = मछली

१हिमाकत=मूर्खता .२.रवायत = परंपरागत बात .
३.दुर्भाग्यसूचक

کیا کہنا۔ شاید تم کبھی ٹاپو سے باہر نہیں گئے۔ اگر آپ میری ناؤ پر بیٹھ کر کچھ دور سمندر میں جائیں۔ تو پتہ لگے۔ کہ سورج ٹاپو کے پہاڑوں میں نہیں چھپتا۔ بلکہ سمندر سے ہی نکلتا ہے۔ اور شام کو سمندر ہی میں جا چھپتا ہے۔ یہ سب کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے"۔

(۱۱)

اس پر ہم میں سے ایک ہندو۔ جو ہمارے جہاز کے مسافروں میں سے ہی تھا۔ کہنے لگا۔ "مجھے آپ کی حماقت پر بڑا تعجب ہوتا ہے۔ سورج اگر آپ کی آگ کا گولا ہوتا۔ تو سمندر میں ڈوبنے سے بجھ نہ جاتا؟ سورج تو ساکھشات[1] ایک دیوتا ہے۔ جو رتھ میں سوار ہو کر سمیر پربت[2] کے گرد پرکرما کرتا ہے۔ کبھی کبھی کتے (راہو اور کیتو دو منحوس ستارے جن کی نسبت یہ خیال کیا جاتا ہے۔ کہ وہ گرہن کے وقت سورج کو پکڑ لیتے ہیں) اسے پکڑ لیتے ہیں۔ لیکن ہمارے پرتاپی[3] برہمن پرارتھنا کر کے اسے چھڑا لیتے ہیں۔ تم یہ سمجھتے ہو۔ کہ سورج صرف تمہارے ٹاپو میں ہی روشنی کرتا ہے۔ اور جگہ نہیں۔ یہ تمہارا خیال بالکل غلط ہے"۔

(۱۲)

یہ سُن کر جہاز کا مالک ہنس کر بولا۔ کہ واہ دیوتا

ا صریح طور پر۔ ۲ ایک فرضی روایتی پہاڑ جس کا ذکر پرانوں میں آتا ہے۔ ۳ طاقت ور۔

کی بھی خوب رہی۔ سُورج کوئی دیوتا نہیں۔ وہ صرف ہندوستان میں ہی روشنی نہیں کرتا۔ میں نے دُور دراز ملکوں کا سفر کیا ہے۔ اور مجھے معلوم ہُوا ہے۔ کہ سُورج تمام دُنیا کو روشنی بخشتا ہے۔ بات یہ ہے۔ کہ وہ جزائر جاپان سے نکلتا ہے۔ اور جزیرہ برطانیہ اعظم میں جا چھپتا ہے۔ اسی وجہ سے جاپانی اپنے ملک کو "نِپن" یعنی سُورج کی پیدائشی سرزمین کہتے ہیں۔

اس پر ایک انگریز نے مُسکرا کر کہا۔ تم سب جاہل ہو۔ سُورج کی چال کا ہم نے پتہ لگایا ہے۔ وہ کہیں سے نہ نکلتا ہے۔ نہ چھپتا ہے۔ ہمیشہ زمین کے گِرد گھومتا رہتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو ابھی ہم زمین کا چکّر کاٹ کر آئے ہیں۔ کہیں نہ کہیں ہم سُورج سے ضرور ٹکراتے۔

کپتان "تم سب عقل کے کولھو ہو۔ اور دُوسروں کو بیوقوف بنا رہے ہو۔ سُورج زمین کے گِرد نہیں گھُومتا۔ بلکہ زمین سُورج کے گِرد گھوم رہی ہے۔ وہ اپنے دھرے پر پھرتی ہُوئی چوبیس گھنٹے میں ایک چکّر پُورا کرتی ہے جو حصّہ گھُومتے وقت سُورج کے سامنے ہوتا ہے۔ وہاں دن ہوتا ہے۔ باقی سب جگہ رات ہوتی ہے۔ سُورج کسی خاص پہاڑ۔ جزیرہ۔ سمندر یا ملک میں روشنی نہیں دیتا۔ بلکہ تمام جہان میں اُجالا کرتا ہے۔ غور سے آسمان کی طرف دیکھو۔ تو ظاہر ہو جائیگا۔ کہ جو کچھ میں کہ رہا ہوں۔ سچ ہے"۔

इबादत = उपासना / यगानगत = ऐक्य
पुरनूर = तेजःपूर्ण तशरीह = व्याख्या

(۱۳)

یہ کہہ کر وہ چیونٹی بولا۔ "اس مثال سے آپ سمجھ گئے ہونگے۔ کہ مت متانتروں[1] کے جھگڑے فقط جہالت کا نتیجہ ہیں۔ ورنہ سورج کی مانند پرماتما سروویاپک[2] ہیں۔ کسی ایک جگہ نہیں۔ بلکہ ہر جگہ ہیں۔ لیکن ہر ایک آدمی اپنے اور اپنے ملک کے لئے علیحدہ خدا بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ ہر ایک قوم اس دنیا کے مالک کو جس میں یہ تمام جہان قائم ہے۔ اپنی اپنی عبادت گاہ میں قید کرنا چاہتی ہے۔ لیکن اس نے انسانوں کو یگانگت سکھلانے کے لئے جو اپنا مندر آپ بنایا ہے۔ وہ لاثانی ہے۔ وہ مندر یہ دنیا ہے۔ باقی سب مندر اس کی نقل ہیں۔ معمولی مندروں میں اچھلتے ہوئے فوّارے۔ جگموہن[3] چراغ۔ خوب صورت مورتیاں۔ مذہبی کتابیں۔ ہون کنڈ۔ بلیدان کی جگہ پجاری ہے سب کچھ ہوتا ہے۔ لیکن ایسا مندر بتلاؤ۔ جہاں سمندر کا سا فوّارہ ہو۔ آسمان کا سا جگموہن ہو۔ چاند اور ستاروں جیسے پُرنور چراغ ہوں۔ پریم بھاؤ[5] سے بھرے ہوئے بےشمار جانداروں کی سی مورتیاں ہوں۔ پرمیشر کی کرپا اور دیا کی تشریح کرنے کے لئے دنیاوی سکھوں کے سامانوں سے زیادہ اور کونسی دھرم پستک ہو سکتی ہے؟ دوسروں کی بھلائی کرنے سے بڑھ کر اور کونسا بلی دان (قربانی) ہے۔

۱ مذہبوں اور ملتوں ۔ ۲ ہر جا حاضر ناظر ۔ ۳ خوبصورت چھوٹا سا شامیانہ جو مندروں میں مورتیوں پر تنا ہوتا ہے ۔ ۴ قربانی کی جگہ ۔
۵ اُلفت کے خیالات ۔

انسان کی اپنی آتما سے بڑھ کر دھرم[1] شاستر اور کونسا ہے؟ اور یوگی[2] کے چت کی مانند ہون[3] کنڈ اور کہاں ہے جہاں بھگوان خود باس کرتے ہیں +

"انسان کو اپنی سمجھ کے مطابق پرماتما کا گیان ہوتا ہے۔ جتنا وہ پرم دیو پرماتما کی کرپا۔ دیا اور پریم کو اپنے دل میں جگہ دیکر اُسے پانے کی کوشش کرتا ہے۔ اُتنا ہی وہ اُن کے نزدیک ہوتا جاتا ہے۔ اس لئے گیانی کا اگیانی سے نفرت کرنا ادھرم ہے۔ یوگی اور مہاتما وہی ہے۔ جو ناستک سے بھی حقارت سے پیش نہیں آتا" +

چینی مہاتما کی یہ باتیں سُن کر سب نے اپنی غلطی قبول کرکے گردن جھکا لی +

۵ جولائی ۱۹۳۱ء

[1] مذہبی کتاب + [2] پرماتما کے دھیان میں محو شخص + [3] وہ برتن یا جگہ جہاں ہون کیا جاتا ہے۔ یعنی آگ میں خوشبوئیں جلائی جاتی ہیں +

ساتویں کہانی

سچّی تیرتھ یاترا

(۱)

ایک گاؤں میں دھرم چند اور سنسار چند دو کسان رہتے تھے۔ سنسار چند مالدار تھا۔ مگر دھرم چند معمولی کھاتا پیتا گرہستی تھا۔ مُدّت سے ان دونو کا ارادہ امرناتھ کی یاترا[1] کا تھا۔ لیکن موقع نہ ملنے کے باعث رُک رہے تھے۔

سنسار چند بڑا حلیم الطبع۔ مہذّب اور ملنسار انسان تھا۔ اس کے دو لڑکے اور ایک پوتا تھا۔ پچاس سال کی عُمر میں ہی بال سب سفید ہو گئے تھے۔ کالا بال کوئی ڈھونڈھے سے ہی ملتا تھا۔ بدن ویسے تو مضبوط تھا۔ مگر چہرے پر ہمیشہ فکر اور پریشانی کے آثار نمایاں رہتے تھے۔

دھرم چند کی عُمر ساٹھ سال سے اُوپر تھی۔ مگر بال سب کالے تھے۔ بدن اگرچہ دُبلا پتلا تھا۔ مگر مضبُوط۔ چہرے پر ہمیشہ دلی اطمینان اور مسرّت جھلکتی تھی۔ وُہ نہایت خوش مزاج۔ رحمدل اور دھرماتما تھا۔ اس کے بھی دو بیٹے تھے۔ جن میں سے ایک گھر پر تھا۔ اور دوسرا باہر نوکری پر۔ گھر کا کام کاج دھرم چند نے اپنے پُتر گیان چند کے حوالے کر دیا تھا۔ اور آپ زیادہ تر گھر

[1] مذہبی سفر۔

میں بیٹھا رام[1] بھجن اور ست[2] سنگ میں مگن رہتا تھا ؛

امرناتھ کی یاترا کی لہر دونو دوستوں کے دلوں میں مُدّت سے اُٹھ رہی تھی - ایک روز موقع پا کر دھرم چند نے اپنے دوست سنسار چند سے کہا "لو چودھری جی! اب تو بیٹے کے بیاہ سے ربنٹ چُکے - ایک پوتے کا مُنہ بھی دیکھ لیا - چلو تیرتھ یاترا کر آئیں" ؛

سنسار چند "بھئی! ذرا اور ٹھیر جاؤ - تمہارے دُوسرے بھتیجے کا بھی گونا[3] ہو لے - اور اس کا بھی بیٹا گود کھلا لُوں - تو پھر اکٹھے ہی یاترا کو چلیں گے - دیکھو! مَیں اس کی بہُو کے لئے ایک نیا کمرہ بنوا رہا ہوں - میرا خیال تھا - کہ سَو سَوا سو میں کام بن جائیگا - مگر تین سو روپیہ کھپ کر بھی ابھی پُورا ہونے میں نہیں آیا - پرم پتا پرماتما خیریت رکھیں - اگلے برس ضرور چلیں گے" ؛

دھرم چند "بھلا چودھری جی - دُنیا کے دھندے بھی کبھی پُورے ہُوئے ہیں - جنہیں ختم کر کے جانے کا خیال ہے - یہ تو ایسے ہی ہوتے رہینگے - ع

دُنیا کے یہ جھمیلے ہرگز بھی کم نہ ہونگے
چرچے یہی رہینگے افسوس ہم نہ ہونگے

اس لئے میری تو یہی رائے ہے - کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اسی سال چلو - بہت اچھا موسم ہے - تم تو اگلے سال کو کہتے ہو - یہاں کل کا بھروسہ نہیں - مثل مشہور ہے -

[1] یادِ حق ؛ [2] بھلے آدمیوں کی صحبت ؛ [3] شادی کے بعد کی دوسری رسم - جبکہ کم عمری میں بیاہی ہُوئی دُلھن بالغ ہو کر اپنی سُسرال آتی ہے ؛

"کل کی بات کال کے ہاتھ"۔ "کر لے سو کام۔ بھج لے سو نام"۔
سنسار چند "یہ تو سب سچ ہے۔ پر گھر کس پر چھوڑوں"؟
دھرم چند "چودھری جی! مرنے لگو گے۔ تو کس پر چھوڑ جاؤ گے؟ پرماتما نے دو لڑکے دئے ہیں۔ بڑا لڑکا سب طرح ہوشیار ہے۔ اس کے حوالے کرو۔
سنسار چند "اجی۔ اُس کا کیا بھروسہ ہے"؟
دھرم چند "لیکن ایک دن تو یہ گھر اُسی کے بھروسے پر چھوڑنا پڑیگا۔ سو ابھی چھوڑ کر بے فکر ہو جاؤ۔ اور باقی زندگی سکھ سے بسر کرو۔ تو کیا برا ہے"۔
سنسار چند "ہاں کہتے تو ٹھیک ہو۔ مگر کسی کام کے شروع کر دینے پر ہر انسان کو اس کے ختم کرنے کی خواہش لگی ہی رہتی ہے"۔
دھرم چند "لیکن انسان سب کام ختم کب کر سکتا ہے؟ کل ہی کی بات ہے۔ کہ بہوئیں کئی دن سے ہولی کے لئے تیاریاں کر رہی تھیں۔ ہولی سر پر بھی آ پہنچی۔ مگر اُن کی تیاریاں ختم ہی نہ ہوئیں۔ بڑی بہو بولی۔ رام جی نے یہ بڑا اچھا کیا ہے۔ کہ تیوہار ہمارے بلاوے کی انتظار دیکھے بنا ہی آ جاتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو ہم کبھی کسی تیوہار کی پوری پوری تیاری کر کے اُسے بُلا ہی نہ سکتے"۔
سنسار چند "ایک بات اور بھی ہے۔ اس مکان پر بہت روپیہ خرچ ہو گیا۔ اس وقت روپیہ کی بھی تنگی ہے۔ تیرتھ یاترا کرنے جائیں۔ تو کم از کم سو روپیہ تو

कोने पोते - आदो कर्ज - थोड़ा है

۶ جنوری ۱۹۳۰

ساتھ نہیں"۔

دھرم چند۔"آہا! پرماتما کی لیلا بھی وچتر ہے۔ جو جتنا مالدار ہے۔ اتنا ہی وہ کنگال ہے۔ تم اور روپیہ کی فکر کرو! ارے بھائی جانے بھی دو۔ میں سچ کہتا ہوں۔ کہ اس وقت میرے پاس دس روپیہ بھی نہیں۔ پر جب چلنے کی نیت ہوگی۔ روپیہ بھیجنے والا آپ ہی بھیج دیگا۔ بس یہ سوچ لو۔ کہ چلنا کب ہے"؟

سنسار چند۔"بھئی! تمہیں تو بے دیکھے پر بڑا یقین ہے۔ بھیجنے والا کہاں سے بھیجیگا؟ کیا چھپر پھاڑ کر بھیجیگا؟

دھرم چند۔"بھولے چودھری جی! روپیہ ہمارے پیچھے ہے۔ ہم روپے کے پیچھے نہیں۔ جب آدمی کوئی کام کرنے کی نیت کر لیتا ہے۔ تو وہ کام روپے کے پیچھے نہیں اٹکتا۔ اسے اپنی طاقت پر بھروسہ ہونا چاہیئے۔ روپیہ آپ ہی کھچا چلا آتا ہے۔ سنو! کچھ گھر میں سے لینگے۔ کچھ مال بیچینگے۔ لالہ لکشمی چند چوکھٹیں لینا چاہتے ہیں۔ اور نہ کچھ ہوگا۔ تو اونے پونے انہیں ہی لگا دینگے"۔

سنسار چند۔"کیوں اونے پونے دینے پر لالچ نہیں آئیگا؟ پچھتاؤ گے نہیں"؟

دھرم چند۔"پچھتانا کاہے کا؟ اپنا مال ہے۔ جتنے کو چاہا دے دیا۔ میں تو کوئی بُرا کام کرنے کے سوا اور کسی بات پر کبھی نہیں پچھتاتا۔ اور لالچ کیسا؟ کیا اپنی آتما کی شدھی سے زیادہ بھی اور کوئی فائدہ ہو سکتا ہے۔ جس کا لالچ کرکے اُسے چھوڑ دیں"۔

سنسار چند "یہ تو سب سچ ہے۔ پر گرہست کے کام کاج کی طرف سے لاپرواہی کرنا بھی تو مناسب نہیں"۔

دھرم چند "بھائی گرہست بہت بھوگ چکے۔ اب تو جن کا گرہست ہے اُنہی کا ہے۔ ہمارا تمہارا اب کیا ہے۔ اب تو ہمیں تمہیں اپنی آتما کی طرف سے لاپرواہی نہیں کرنی چاہئیے اس کی اُنتی کی فکر کرنی چاہئیے۔ جو سنکلپ کر چکے ہو۔ اُسے پورا کرنا ہی اچھا ہے"۔

(۲)

غرضیکہ دھرم چند نے سنسار چند کو سب اُونچ نیچ اور گیان دھرم کی باتیں سمجھا کر تیرتھ یاترا کے لئے تیار کر لیا۔ اور چار پانچ روز بعد سنسار چند گھر چھوڑتے ہوئے آنکھیں ڈبڈبائے۔ کلیجہ سنبھالے۔ دل پکڑے اپنے بڑے پُتر کو یُوں سمجھانے لگے۔ کہ مکان کی چھت ایسی ڈلوانا۔ بھوسہ کھلیان سے اس طرح الگ کر کے جمع کروانا۔ منڈی میں جا کر اناج یوں بیچنا۔ اور جو روپیہ پیسہ ملے۔ سنبھال کر رکھنا فضول مت کھونا۔ چور چکار سے بچانا۔ گھر کا بندوبست ایسا کرنا۔ کہ کوئی نقصان نہ ہو۔ غرضیکہ اگر دھرم چند کا تقاضا نہ ہوتا تو شاید پتا کا پُتر کو یہ اُپدیش کبھی ختم ہونے میں ہی نہ آتا۔ اس کے خلاف دھرم چند نے اپنے پُتر گیان چند کو آشیرباد دیکر کہا "بیٹا تم خود ہوشیار ہو۔ جیسا مناسب سمجھنا۔ کرنا۔ میں تمہیں زیادہ کیا بتلاؤں"۔ اس طرح دھرم چند تو اپنے گھر سے ہنستے ہوئے اور خوش خوش اور سنسار چند روتے بسورتے ہوئے روانہ ہوئے۔ دھرم چند راستے میں بھجن

گاتے اور مہاتماؤں کی بانی سُناتے جاتے تھے۔ اور دُوسرے مُسافروں کو بھی دھرم کا اُپدیش دیتے تھے۔ برخلاف اس کے سنسار چند کو اپنے گھر کا ہی دھیان گھیرے رہتا تھا۔ اور جب انہیں موقع ملتا۔ اپنی ہی رام کہانی چھیڑ بیٹھتے تھے۔ کہ "لڑکا ناتجربہ کار ہے۔ ایشور جانے گھر کیسے سنبھالیگا کوئی نقصان نہ کر دے۔ وغیرہ وغیرہ"۔ کبھی کبھی تو انہیں گھر کا فکر ایسا آ دباتا تھا۔ کہ حضرت واپسی پر تیار ہو جاتے تھے۔ لیکن دھرم چند پھر انہیں سمجھا کر آگے دھکیلتا تھا ٭

غرضیکہ اسی طرح چلتے چلتے ایک مہینہ گزُر گیا۔ اور وہ پہاڑی علاقے میں پہنچ گئے۔ اب تک وہ بازار سے آٹا۔ دال اور دیگر ضروری چیزیں خرید کر گزارہ کرتے تھے۔ لیکن پہاڑی بالطبع مہماں نواز ہوتے ہیں جس کے باعث اُنہیں اب زیادہ تر خوراک کے فکر سے نجات ہو گئی۔ مگر چند روز بعد ہی وہ ایک ایسے علاقے میں پہنچے۔ جہاں سخت قحط تھا اور خوراک کا سامان بمشکل میسر آتا تھا۔ اس لئے انہیں کبھی کبھی تو برت بھی کرنا پڑتا تھا۔ اس لئے وہ اپنی جھولی میں کئی کئی دن کا سامان رکھنے کے لئے مجبور ہو گئے ٭

(۳)

ایک روز وہ ایک جھونپڑی کے پاس سے گزرے۔ تو دھرم چند نے سنسار چند سے کہا "بھائی تم چلو مجھے پیاس لگی ہے۔ بس اس جھونپڑی سے پانی پی کر ابھی تم سے آملتا ہوں"۔ دھرم چند جھونپڑی کے پاس پہنچا۔ تو کیا دیکھتا ہے۔ کہ

ا برت ٭ روزہ ٭ فاقہ ٭

دُھوپ میں ایک آدمی ننگا پڑا ہے۔ دھرم چند نے اس سے پانی مانگا۔ مگر اس نے کچھ بھی جواب نہ دیا۔ اور بُرا سا مُنہ بنا کر رہ گیا۔ دھرم چند اس کی صُورت شکل سے اسے کوئی مریض سمجھ کر جھونپڑی کے دروازے پر آیا۔ اندر اس نے ایک بُڑھیا کو ننگے سر صرف ایک پھٹی سی چادر اوڑھے بیٹھے دیکھا۔ پاس ہی ایک لڑکا روٹی کے لئے بلک بلک کر رو رہا تھا۔ اور چُولھے کے پاس ایک عورت پڑی تڑپ رہی تھی۔ جس کی آنکھیں بند اور گلا رُکا ہُوا تھا۔

بُڑھیا نے دھرم چند کو دروازے میں کھڑا دیکھ کر حسرت بھری آواز سے کہا "بابا! تُم کون ہو؟ کیا مانگتے ہو؟ ہمارے پاس دھرا ہی کیا ہے۔ جو ہم کسی کو دیں"؟

دھرم چند "مائی جی! پیاس لگی ہے۔ صرف تھوڑا سا پانی مانگتا ہوں"۔

بُڑھیا "بابا! یہاں تو نہ برتن ہے۔ نہ کوئی پانی لانے والا۔ جاؤ۔ اپنی راہ لو۔ ہم دُکھیاروں کو مت ستاؤ"۔

دھرم چند "یہ عورت کیوں تڑپتی ہے۔ کیا تم میں سے کوئی اس کی ٹہل سیوا نہیں کر سکتا"؟

بُڑھیا "کون کس کی ٹہل سیوا کرے۔ سب بھُوکوں مر رہے ہیں۔ باہر میرا لال بھُوکا مر رہا ہے۔ اندر ہم تڑپ رہے ہیں"۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں۔ کہ باہر سے وُہ آدمی گرتا پڑتا آکر لڑکھڑاتی ہُوئی زبان میں کہنے لگا "بابا اکال[1] اور روگ[2] دونو نے مل کر ہمیں مار ڈالا۔ یہ لڑکا کئی دن سے بھُوکا ہے۔ کیا کروں۔ کہاں سے اسے روٹی لا کر کھلاؤں"۔

[1] قحط ۔ [2] بیماری ۔

दास्तान = कहानी

یہ دُکھ بھری داستان سُن کر دھرم چند نے فوراً اپنے جھولے میں سے سب پراَونٹھے جو اس کے پاس تھے۔ نکال کر اس کے سامنے رکھ دئے۔ اور پریم سے کہنے لگا"لو ابھی تو اِنہیں کھاؤ۔ تھوڑی دیر میں اَور اِنتظام ہو جائیگا"۔

بُڑھیا نے آشیر باد دیکر کہا"رام تمہارا بھلا کرے۔ سب کے گلے پانی کے بغیر سُوکھ رہے ہیں۔ پاس ہی کنّواں ہے۔ تھوڑا سا پانی بھی لا دو"۔

دھرم چند بُڑھیا سے کنوئیں کا پتہ دریافت کرکے اور اُن کا گھڑا اُٹھا کر چلا۔ لوٹا ڈور اس کی جھولی میں موجُود تھا۔ پانی بھر کر کچھ آپ پیا۔ اور گھڑا بھر کر اُن کے لئے لے آیا۔ پھر گاؤں سے دال چاول لاکر اُس نے کھچڑی بنائی۔ اور اس عورت کو جو تڑپ رہی تھی۔ کھلائی۔ جب سب کو کچھ ہوش آیا۔ تو اُن سے حال پُوچھنے لگا۔

مرد نے کہا"باباجی کیا بتاؤں! نردھن تو ہم پہلے ہی سے تھے۔ رہے سہے اکال نے مار ڈالے۔ مری آئے میں ڈھور ڈنگر مر گئے۔ پہلے تو پڑوسی اُدھار دیتے رہے۔ پر وہ بیچارے بھی کب تک دیتے۔ لاچار ہو کر مزدوری کو نکلا۔ دو چار روز سب کا پیٹ پالا۔ بیماری نے دبا لیا۔ بُڑھیا لڑکے کو لیکر بھیک مانگنے لگی۔ پر جو آپ ہی بھُوکے مر رہے ہوں۔ وہ کسی کو بھیک کیا دیں۔ لاچار برتن بھانڈے بیچ بیچ کر کچھ دن گُزارے۔ مگر کب تک۔ آخرکار کچھ بھی نہ رہا۔ اور اب ہم سب موت کی راہ دیکھ رہے تھے۔ کہ آپ نے آکر بچا لیا"۔

ان کی یہ غم بھری داستان سُن کر دھرم چند کو بہت رحم

آ گیا۔

آیا۔ اور اُس نے سوچا۔ کہ ساتھی سے کل مل لینگے۔ پہلے ان کی مصیبت دُور کرنی چاہیئے۔ اِس لئے وُہ وہاں ہی ٹھیر گیا۔ مگر اگلے روز بھی اس کا جی جانے کو نہ چاہا۔ اور وہ ان کی ٹہل سیوا ہی کرتا رہا۔ گاؤں سے کھانے پینے کا اَور سامان لے آیا۔ تین چار دن بعد جب سب چلنے پھرنے لگے۔ تو اُس نے سوچا۔ کہ بس کل آگے چلینگے۔

(۴)

شام کو وہ ضروریات سے فارغ ہو کر مندر میں سندھیا اُپاسنا[1] کرنے کے لئے گیا۔ تو اُس نے وہاں گاؤں کے ساہوکار اور زمیندار کو بھی بیٹھے دیکھا۔ وہ مندر میں ایک طرف بیٹھ کر سندھیا کرنے لگا۔ جب سندھیا سے فارغ ہُوا۔ تو کیا دیکھتا ہے۔ کہ وُہی کسان جسے اُس نے کھلا پلا کر مرنے سے بچایا ہے۔ ہاتھ جوڑے ساہوکار کے سامنے کھڑا ہے۔ اور کہ رہا ہے۔ کہ روپے دیکر کھیت چھُڑانا تو میرے لئے ناممکن ہے۔ کرپا[2] کرکے مجھے میرا کھیت لگان پر دیدو۔ جس سے میں کچھ کمائی کرکے اپنا پیٹ بھروں۔ اور تمہارا قرضہ بھی اُتاروں۔ مگر لالہ ایک نہیں مانتا۔

دھرم چند کو یہ نظارہ دیکھ کر بہت دُکھ ہُوا۔ اُس نے سوچا۔ کہ "میں نے اب اِنہیں کھلا پلا کر مرنے سے تو بچا لیا۔ لیکن اب اگر اِنہیں اسی حالت میں چھوڑ گیا۔ تو کوئی آمدنی کا ذریعہ نہ ہونے کے باعث ان کی چند روز میں پھر وُہی حالت ہو جائیگی"۔

یہ سوچ کر اُس نے فیصلہ کیا۔ کہ میں اِس کا کھیت ضرور

[1] عبادت ۔ [2] مہربانی ۔

چھڑا دوں گا۔ اور اسی خیال میں وہ اُن کے گھر آ کر اپنی کھاٹ پر لیٹ گیا۔ دل میں خیال پیدا ہُوا۔ کہ دھرم چند یہ تُو نے اچھا جھگڑا پھیلایا۔ ان کو پانی دینے کے بعد اب کھیت اور بیلوں کی جوڑی کے جھمیلے میں پھنس گئے۔ یہی سوچتے سوچتے آنکھ لگ گئی۔ تو خواب میں کیا دیکھتا ہے۔ کہ وہ جانے کے لئے تیار ہے۔ اور کسان کا لڑکا اُس کا دامن پکڑے ہوئے روٹی مانگ رہا ہے۔ اس خواب کا اُس کے دل پر بہت اثر ہُوا۔ اور وُہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھا۔ اپنے جی میں سوچنے لگا۔ "نہیں ابھی میں نہیں جاتا۔ یہ خواب مجھے سبق دیتا ہے کہ مَیں ان کا کھیت چھڑا کر۔ ان کے لئے گائے بیل مول لیکر اور آئندہ کے لئے ان کے گزارے کا پُورا انتظام کر کے امرناتھ جاؤں۔ ورنہ امرناتھ کے درشنوں[1] کے لئے مَیں اپنے من کے امرناتھ کو کھو بیٹھوں گا[2]"۔

اس لئے وُہ صبح ہی اُٹھ کر اُس ساہوکار کے پاس گیا اور اس کا حساب کر کے اس سے فارغ خطی لے آیا۔ اور شام تک ایک جوڑی بیل۔ ہل۔ چرسہ۔ بیج وغیرہ سب کھیتی کا سامان اس کے گھر اکٹھا کر کے آپ چپکے سے امرناتھ کی طرف چل دیا۔ کچھ دُور جا کر روپوں کی تھیلی جو کھول کر دیکھی۔ تو اس میں صرف دس روپے باقی نکلے۔ اس لئے اس نے کچھ سوچ سمجھ کر واپس اپنے گاؤں کی راہ لی۔

(۵)

اب ذرا سنسار چند کا حال سُنئے۔ آپ دھرم چند سے بچھڑ کر کچھ دُور جا کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ اور

[1] زیارت [2] لازوال مالک یعنی خدا کو ناراض کر دُوں گا۔

اُس کا انتظار کرنے لگا۔ بیٹھے ہُوئے اُونگھ آ گئی۔ جب آنکھ کھُلی۔ تو سوچا۔ کہ شاید دھرم چند آگے نکل گیا ہو۔ لیکن اگر یہاں سے جاتا۔ تو کیا دکھائی نہ دیتا۔ اچھّا چلو۔ اگلی منزل پر مل جائیگا۔ جب اگلی منزل پر بھی دھرم چند نہ ملا۔ تو وہ آگے چل دیا۔ راستے میں ایک سادھو سے میل ملاپ ہو جانے کے باعث اُسے اگلا راستہ کچھ سخت معلوم نہ ہُوا۔ بالآخر امرناتھ پہنچے۔ جب شام کی آرتی[1] کے بعد درشن کرکے واپس آئے۔ تو سادھو نے سنسار چند سے کہا۔ کہ "میرا کسی نے روپوں کا بٹوا نکال لیا"۔ سنسار چند نے من میں سمجھا کہ "یہ سادھو کی چالبازی ہے۔ اور مجھے دھوکا دیکر مجھ سے کچھ اینٹھنے کے لئے اس نے یہ بات بنائی ہے"۔ پھر خود ہی اس کی آتما[2] نے اسے لعنت ملامت کی۔ اور اس سے کہا۔ کہ "کسی شخص کی نسبت ایسا بیہودہ خیال اپنے دل میں لانا پاپ ہے"۔ مگر پہلا خیال اس کے دل پر ایسا قبضہ کر گیا۔ کہ اگلے روز پُوجا کے وقت اس کا ہاتھ بٹوے پر ہی رہا۔

سنسار چند نے پُوجا کے بعد آنکھ کھولی۔ تو دیکھا۔ کہ دھرم چند عین مورتی کے نزدیک کھڑا ہے۔ اسے خیال ہُوا کہ غالباً وہ کسی اَور راستے سے آ گیا ہوگا۔ وہ اس کا انتظار کرنے لگا۔ مگر یکایک وہ اِس کی نظر سے غائب ہو گیا۔ شام کی پُوجا کے وقت پھر اُسے دھرم چند سب سے آگے دکھائی دیا۔ اور اس نے دروازے پر اُس سے ملنے کی کوشش کی۔ مگر بعد میں پھر وہ اِسے نظر نہ آیا۔ اِسی طرح چار پانچ روز اِس نے اُسے سب سے آگے مُورتی کے سامنے

[1] ہندو پُوجا کے وقت ایک گھی کا چراغ یا کافور جلاکر مُورتی کے سامنے گھماتے ہیں اور دیوتا کے تعریفی گیت گاتے جاتے ہیں۔ اس کو آرتی کہتے ہیں۔ [2] ضمیر۔ رُوح۔

دیکھا۔ لیکن ہر چند کوشش کرنے پر بھی یہ اُس سے مل نہ سکا۔ آخر پوجا ختم ہونے پر یہ وہاں سے واپس ہوا۔ جب اُس جھونپڑی پر جہاں دھرم چند اس سے الگ ہوا تھا۔ پہنچا۔ تو اس نے سوچا۔ کہ یہاں سے دھرم چند کا کچھ پتہ لگیگا۔ کسان کا بچہ ایک اَتِتھی[1] کو جھونپڑی کی طرف آتے دیکھ کر بھاگا ہُوا آیا۔ اور بابا! بابا!! کہ کر اُنگلی پکڑ کر اندر لے گیا۔ کسان اُس کی اِستری اور ماتا سب نے اس کا سَتکار[2] کیا۔ سنسار چند نے اُن سے دھرم چند کا حال پوچھا۔ اُنہوں نے آنکھوں میں پریم کے آنسو بھر کر سب حال مِن و عن کہہ سنایا۔ سنسار چند سمجھ گیا۔ کہ دھرم چند اپنا سب روپیہ یہاں خرچ کرکے گھر کو لوٹ گیا۔ اور مُورتی کے سامنے جو دھرم چند تھا۔ وہ اگرچہ اصلی نہ تھا۔ مگر دھرم چند کی تیرتھ یاترا سپھل[3] ہو گئی ہے۔ اور اس وقت اسے اس بات کا پورا یقین ہو گیا۔ کہ سچی تیرتھ یاترا یہی ہے۔ کہ انسان تمام جانداروں کے ساتھ دلی پریم رکھ کر بھلائی میں لگا رہے۔ اور سب کی بے غرضانہ خدمت کرتا رہے ⁂

[1] بے تعلق مہمان جس کے آنے کی کچھ اُمید نہ ہو ؛ [2] خاطر تواضع ؛ [3] کامیاب ؛

آٹھویں کہانی

سچّا گیان

دُوسروں کو نقصان پہنچانے سے اپنا ہی نقصان ہے

(۱)

مغرور پور ریاست کے راجہ مدہوش سنگھ نے اپنے پڑوس کی ریاست کلیان پور کے راجہ راگھو سنگھ پر ایک مرتبہ موقع پا کر چڑھائی کی۔ اور اس کی فوج کو شکست دیکر سینکڑوں بلکہ ہزاروں بہادر سورماؤں کو خاک میں ملا دیا۔ اس کے علاقے کے تمام گاؤں جلا کر خاک سیاہ کر دئے اور خود راجہ راگھو سنگھ کو قید کر لایا۔ اور اس کو وحشی جانوروں کی طرح ایک لوہے کے پنجرے میں قید کر دیا۔

ایک روز راجہ مدہوش سنگھ اپنی سیجوں پر پڑا ہُوا سوچ رہا تھا۔ کہ راگھو سنگھ کو کس طرح سخت سے سخت تکلیف دیکر مروایا جا سکتا ہے؟ کہ یکایک ایک بُوڑھا سفید ریش اس کے سامنے آ نمودار ہُوا۔ اور مدہوش سنگھ نے چونک کر اس سے پُوچھا "تم کون ہو"؟

بُوڑھا۔ "میرا نام گیانی ہے۔ لیکن تم بتاؤ۔ تم کون ہو اور راجہ راگھو سنگھ کو سخت سے سخت تکلیف دیکر

کیوں مروانا چاہتے ہو"؟
راجہ بوڑھے گیانی کی بات سُن کر حیران رہ گیا۔ اور پوچھنے لگا۔" تمہیں یہ کس نے بتلایا۔ کہ میں راگھوسنگھ کو سخت سے سخت تکلیف دیکر مارنا چاہتا ہوں"؟
گیانی۔" کیوں؟ کیا تم ابھی اپنے من میں یہ نہیں سوچ رہے تھے۔ کہ راجہ راگھوسنگھ کو کس طرح سخت سے سخت تکلیف دیکر مروایا جا سکتا ہے؟ سچ بتاؤ۔ کیا مَیں جھوٹ کہتا ہوں"؟
مدہوش سنگھ۔" نہیں! کہتے تو تم سچ ہی ہو۔ مَیں اس وقت یہی خیال کر رہا تھا۔ لیکن مَیں نے ابھی اس کے متعلق کچھ فیصلہ نہیں کیا"۔
گیانی۔" لیکن کیا تم جانتے ہو۔ کہ تم ہی راگھوسنگھ ہو"؟
مدہوش۔" (حیران ہو کر) ہیں! مَیں راگھوسنگھ! میں راگھوسنگھ کس طرح ہو سکتا ہوں؟ مَیں تو مغرور پور کا راجہ مدہوش سنگھ ہوں"۔
گیانی۔" نہیں تم اور راگھو سنگھ ایک ہو۔ مدہوش سنگھ اور راگھو سنگھ میں کچھ فرق نہیں"۔
مدہوش۔" جھوٹ! جھوٹ!! جھوٹ!!! بالکل جھوٹ!!!! مَیں راگھو سنگھ کس طرح ہو سکتا ہوں"؟
گیانی۔" سچ! سچ!! بالکل سچ!!! تم راگھو سنگھ ہو۔ تم میں اور راگھو سنگھ میں کچھ فرق نہیں! یہ تمہاری غلطی ہے۔ کہ تم راگھو سنگھ کو اپنے سے الگ سمجھے ہوئے ہو"۔

مدہوش ”آپ کیا کہتے ہیں؟ میں غلطی پر ہوں۔ یا آپ غلطی پر ہیں۔ میں پھولوں کی سیج پر پڑا ہوں۔ نوکر چاکر۔ لونڈی غلام میری خدمت میں حاضر ہیں۔ راگھو سنگھ جنگلی جانوروں کی طرح پنجرے میں قید ہے۔ اور میرے حکم سے کل کتے اُس کی تکا بوٹی اُڑا ڈالینگے“+

گیانی ”لیکن کیا تم اس کی آتما کا بھی ناش کر سکتے ہو؟“

مدہوش ”آتما واتما بالکل وہم اور نرا ڈھکوسلا ہے۔ کچھ بھی نہیں۔ مر گیا سو گیا۔ اسی راگھو سنگھ کے چودہ ہزار جوانوں کو خاک میں ملا چکا ہوں۔ ان کی آتما کہاں ہے؟ کہیں بھی نہیں! سب مر کر گل سڑ گئے۔ مگر میں جیتا جاگتا اور سب کچھ کر سکتا ہوں“۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ میں آتما کا بھی ناش کر سکتا ہوں“؟

گیانی ”یہ تم نے کس طرح جانا۔ کہ وہ سب جن کو مر کر گل سڑ گئے سمجھتے ہو۔ در اصل ان کے آتما بھی مر کر گل سڑ گئے ہیں“؟

مدہوش ”اس طرح کہ وہ کہیں دکھلائی نہیں دیتے۔ علاوہ ازیں انہوں نے مرتے ہوئے تکلیف پائی ہے۔ اور میں اس وقت مزے اُڑاتا ہوں“+

گیانی ”یہ سمجھنا بھی تمہاری غلطی ہے۔ تم نے انہیں کوئی تکلیف نہیں دی۔ بلکہ اپنے آپ کو ہی تکلیف دی ہے“+

مدہوش ”تمہاری یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے“؟

گیانی ”یہ اچھی طرح ہو سکتا ہے۔ بتلاؤ۔ کیا تم یہ معمہ

آتما روح +

سمجھنا چاہتے ہو"؟

مدہوش " ہاں! سمجھنا تو چاہتا ہوں - کیا آپ مجھے سمجھائینگے"؟

گیانی "ہاں! مَیں تمہیں یہ راز سمجھانے کے لئے ہی آیا ہُوں - چلو ذرا تالاب پر چلیں - وہاں مَیں تمہیں سب کچھ بتلاؤنگا"

(۲)

مدہوش سنگھ پر گیانی کی صورت شکل وضع قطع اور طرز گفتگو کا کچھ ایسا اثر پڑا - کہ وہ جیسا بیٹھا تھا - ویسا ہی اُٹھ کر اُس کے ساتھ تالاب پر چل دیا - وہاں پہنچ کر گیانی نے ایک لوٹے میں پانی بھر کر اس سے کہا - کہ اچھا! اب تم کپڑے اُتار کر اس تالاب میں گھس چلو - اور جب مَیں تمہارے سر پر پانی ڈالنا شروع کروں - اس وقت تم تالاب میں ڈُبکی لگانا

راجہ نے ایسا ہی کیا - لیکن ڈُبکی لگاتے ہی وُہ اپنے آپ کو بھُول گیا

(۳)

اُسے معلوم ہُوا - کہ وہ مدہوش سنگھ نہیں - بلکہ راگھو سنگھ ہے - اور محل میں پھُولوں کی سیجوں پر پڑا ہے - پاس ہی اس کے ایک استری بیٹھی ہے - جو کہ اُس کی رانی ہے

اس نے دیکھا - کہ وُہ رانی اُس کے چرن[1] چھُو کر کہتی ہے - پران ناتھ[2]! آج آپ کب تک سوتے رہینگے -

[1] قدم [2] میری جان کے مالک

کل کی تکان کے مارے شاید آج آپ کو بہت نیند آئی ہے - اب تو سوتے سوتے بہت دیر ہو گئی - اُٹھئے - سنان[1] دھیان کر کے دربار میں جائیے - سب لوگ آپ کی انتظار کرتے ہونگے"۔

یہ سُن کر گویا وہ مدہوش سنگھ جو اپنے آپ کو راگھو سنگھ سمجھے ہُوئے ہے - سیج سے اُٹھ کر ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد دربار میں جاتا ہے - جہاں امیر وزیر سب اُس کو دیکھ کر تعظیم بجا لاتے ہیں - اور اثنا‌ء[2] گفتگو میں وزیر کہتا ہے "شری مہاراج! مغرور پور کا راجہ مدہوش سنگھ ہماری سرحدی رعایا کو بڑا دُکھ دے رہا ہے - روز ہمارے پاس شکائتیں چلی آتی ہیں - اب تو اس کا ضرور کچھ بندوبست کرنا چاہیئے"۔

سپہ سالار - "مہاراج! حکم کیجیئے - ابھی فوج کا کوچ بول دیا جائے"۔

راگھو سنگھ - "نہیں - اگر یہ گانٹھ ہاتھوں سے کھل جائے تو دانتوں سے کھولنے کی کیا ضرورت ہے - پہلے اپنا ایلچی بھیج کر مدہوش سنگھ کو سمجھانا چاہیئے - اگر پھر بھی وہ نہ مانے - تب تو فوج چڑھائی ہی ہوگی"۔

چنانچہ فوراً ایک ایلچی کو خط دیکر روانہ کیا گیا - اور دربار برخاست ہُوا۔

(۴)

[1] غسل اور عبادت ۔ [2] حضور ۔

اپنے آپ کو راگھو سنگھ سمجھنے والا مدہوش سنگھ
اسی عالم خیال میں گھوڑے پر چڑھ کر شکار کو چلا گیا۔
جہاں اس نے دو شیر مارے۔ شام کو لوٹ کر گھر آیا۔
اور روزانہ فرائض اور ضروریات سے فارغ ہونے کے
بعد کھا پی کر کچھ آرام کیا۔

اسی طرح گویا وہ راگھو سنگھ بنا ہوا مدت تک اپنے
راج کا کام کرتا رہا۔ اتنے میں ایلچیوں نے آکر جواب
دیا۔ کہ "مہاراج! مدہوش سنگھ کسی طرح نہیں مانتا۔
اور جنگ کے لئے تیار ہے۔ غرضیکہ راگھو سنگھ بنا ہوا مدہوش
سنگھ خود ہی اپنے ہمنام کسی اور راجہ کے ساتھ جنگ کی
تیاریوں میں مشغول ہوا۔ سخت معرکہ پڑنے اور طرفین
کے ہزاروں آدمی کام آنے کے بعد فرضی راگھو سنگھ
قید ہو کر پنجرے میں بند کیا گیا۔ اس خیالی قید میں اسے
بھوک پیاس کا اتنا رنج نہ تھا۔ جتنا اپنی بے عزتی کا
ملال۔ اسی طرح پنجرے میں رہتے ہوئے اس نے اپنی
آنکھوں کے سامنے اپنے عزیزوں۔ رشتہ داروں۔ سرداروں
اہلکاروں کو فرضی مدہوش سنگھ کے حکم سے قتل ہوتے
ہوئے دیکھا۔ اور خون کا سا گھونٹ پی کر رہ گیا۔ آخر
کار اس نے دیکھا۔ کہ اب اس کی پران[1] پیاری رانی کی
باری آئی ہے۔ اس وقت وہ غصے سے بے ہوش ہو کر
موٹی موٹی لوہے کی سلاخوں کے مضبوط پنجرے کو توڑنے
کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن آپ ہی بیہوش ہو کر گر پڑا۔

[1] جان سے زیادہ عزیز۔

اتنے ہی میں اُس نے دیکھا - کہ جلّادوں نے اس کی مشکیں کس لیں - اور اُسے پھانسی کی طرف لے جا رہے ہیں - اور آخر کار اُسے لے جا کر پھانسی پر لٹکا ہی دیا - اس وقت اُسے کچھ ہوش آئی - اور اُس نے سوچا - ارے ! یہ کیسے ہو سکتا ہے - میں تو مدہوش سنگھ ہوں - راگھو سنگھ تھوڑا ہی ہوں - جو اِن جھگڑوں میں پھنس گیا ٭

یہ دھیان آتے ہی وہ سر نکالنا ہی چاہتا تھا - کہ پھر اُسے اونگھ سی آ گئی - اور اُس نے دیکھا - کہ وہ ایک جانور بن کر جنگل میں چر رہا ہے - اتنے ہی میں ہرن کے دو تین بچّے آ کر اس کے تھنوں سے لپٹ گئے - اور دودھ پینے لگے - تب اُس نے سمجھا - کہ میں نے ہرنی کے جسم میں جنم لیا ہے - وہ دل ہی دل میں خوش ہوا - کہ چلو اب آرام سے گزریگی - اور کوئی جھگڑا نہ رہیگا - وہ ہرنی بنا ہوا یہ سوچ ہی رہا تھا - کہ یکا یک ایک طرف سے "ٹھائیں" کی آواز کے ساتھ ہی ایک گولی آ کر اُس کے بچّے کو لگی - بچّہ گولی لگتے ہی تڑپنے لگا - اور وہ باقی بچّوں کو ساتھ لئے ہوئے وہاں سے بھاگی - لیکن مامتا کے مارے چند قدم چل کر ہی ایک درخت کی آڑ میں کھڑی ہو کر اپنے مُردہ بچّے کا حال دیکھنے لگی - کیا دیکھتی ہے - کہ ایک بھیانک شکل و صورت والے

انسان نے جلدی جلدی آ کر اُس کے بچّہ کی لاش پر قابو کر لیا ہے - اس بھیانک نظارے سے گھبرا کر گردن اُوپر جو اُٹھائی - تو نہ وہ ہرنی ہی ہے - نہ وہ جنگل ہے - نہ وہ بچّہ ہی ہے - اور نہ وہ شکاری ہی - بلکہ گیانی ہاتھ میں لوٹا لئے ہُوئے اُس کے سر پر پانی ڈال رہا ہے ٭

(۶)

اطمینان سے ایک لمبا سانس لیکر پُوچھنے لگا "اوہو! مَیں نے کتنے سال دُکھ اُٹھایا - اب اس کا خیال کرنے سے کلیجہ بھی کانپتا ہے" ٭

گیانی "مہاراج کیا کہہ رہے ہو؟ سال کیسے - تمہیں تو پانی میں ڈبکی لگائے ایک دو منٹ سے بھی زیادہ نہیں گزرے - میرے تو لوٹے کا پانی بھی ابھی خالی نہیں ہُوا - ذرا سوچو تو سہی! راگھو سنگھ کے جن بہادروں کو تم نے موت کے گھاٹ پار اُتارا ہے - وُہ سب در اصل تم ہی تو ہو - لیکن تم یہ سمجھ رہے ہو - کہ آتما صرف تم ہی میں ہے - اَوروں میں نہیں - مَیں نے تمہارا یہ وَہم دُور کرکے دِکھلا دِیا - کہ دُوسروں کو تکلیف دینے سے اصل میں اپنے ہی کو تکلیف پہنچتی ہے - اَور کا دُکھ دُور کرنے سے اپنا دُکھ دُور ہوتا ہے - جو آتما تمام سنسار میں بھرپُور ہے - وُہی تم میں بھی سمایا ہُوا ہے - اور اس کو پاک یا ناپاک کرنا تمہارے اپنے اِختیار

میں ہے۔ اگرچہ وہ خود ہمیشہ پاک رہنے والا ہے۔ لیکن جس طرح آگ کی چنگاری پر راکھ چھا جاتی ہے۔ اسی طرح ہمارے بد اعمال اس پر چھا جاتے ہیں۔ اور وہ اپنا نور ہمارے دل میں نہیں دکھا سکتا۔ اس لئے ہمیں سب سنسار کو اپنا ہی آتما سمجھ کر سب سے پریم کرنا چاہئے۔ اس طرح تمہارا آتما شدھ ہوگا۔ اور دوسروں کو دکھ دیکر تم اپنی پاکیزگی برباد کر دو گے۔ اس آتما کا کوئی ناش نہیں کر سکتا۔ جو آدمی مر گئے ہیں۔ وہ اگرچہ تمہیں نظر نہیں آتے۔ لیکن ان کے آتما مرے نہیں ہیں۔ وہ ہمیشہ یکساں رہنے والے ہیں۔ تم دوسروں کو مار کر اپنی آتما کو بڑھانا چاہتے ہو۔ لیکن یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ آتما چھوٹا یا بڑا ہونے والی چیز نہیں وہ ہمیشہ یکساں رہتا ہے۔ اور مکان و زمان کی قید سے بری ہے۔ اس کا ناش[۵] نہیں ہو سکتا۔ وہ ہمیشہ رہنے والا ہے۔ لامحدود ہے۔ اس کے علاوہ دنیا میں جو کچھ دکھلائی دیتا ہے۔ سب وہم ہے ٭

یہ کہہ کر بوڑھا گیانی جیسے آیا تھا۔ ویسے ہی یکایک غائب ہو گیا۔ لیکن اس کے اپدیش کا یہ اثر ہوا۔ کہ مدہوش سنگھ کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس نے اگلے ہی دن راگھو سنگھ کو قید سے رہا کرکے اس کا ملک اسے واپس کر دیا۔ اور آپ

[۵] فنا - بربادی ٭

एकफारा = प्रायश्चित,

اپنے پُتر کو راج دیکر تپسیا[1] میں مشغول ہُوا - اَور آخر کار سخت تپ سے اپنی آتما کو شُدھ[2] کرنے کے بعد اپنے گزشتہ (व्यतीत) گناہوں کا کفارہ کرکے آپ سادھو بن کر نگر نگر اور گاؤں گاؤں میں یہی اُپدیش دینے لگا - کہ دُوسروں کا نقصان کرنے سے اپنا ہی نقصان ہوتا ہے - اور دُوسروں کو سُکھ دینے سے آپ کو بھی سُکھ ملتا ہے ؞ २५ जुलाई १९३०

[1] ریاضت ؞ [2] پاک ؞

१, पापिष्ठ, २. काम करने वाले.

نوویں کہانی

پاپ کی جڑ

(۱)

ایک روز ادھرم راج[1] اپنے دربار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مصاحبوں اور کارکُنوں نے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ اِدھر اُدھر کی باتوں کے دَوران میں ادھرم راج نے سوال کیا۔ کہ "بھائی یہ معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ جہان میں پاپ کی جڑ کیا ہے؟ تا کہ پھر ہم اسی چیز کو ترقّی دیکر چاروں طرف پاپ ہی پاپ پھیلا دیں۔ اور ہمیشہ دُنیا میں اٹل راج کریں۔ مجھے ہر وقت دھرم راج[2] کا کھٹکا لگا رہتا ہے۔ کہ کہیں وُہ دُنیا سے پاپ کم کرکے میرے اُوپر فتح حاصل نہ کرلے۔ اور مُجھے میرے راج سے بھی نہ نکال دے"۔

ادھرم راج کی یہ بات سُن کر اُن کے سب مصاحب اور کارکُن وغیرہ اِس سوال کا جواب سوچنے لگے۔ اور ہر طرح کی چہل پہل پر جو پہلے جاری تھی۔ پانی پڑ گیا۔ سب نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق جواب دیا۔ لیکن اپنے جواب کو عملی طور پر ثابت کرنے کی کوئی ہمّت نہ کرسکا۔

[1] بدی کا راجہ۔ شیطان + [2] نیکی کا راجہ۔ رحمان +

بالآخر ایک بوڑھے خرانٹ کارکن نے یہ بھی منظور کرا لیا - اور دربار ختم ہونے پر ادھرم راج کو اپنے ساتھ لیکر اپنے دعوے کا عملی ثبوت پیش کرنے کے لئے چل پڑا +

(۲)

دھرم داس ایک غریب کسان تھا - اُس کے گھر میں میاں بیوی دو کھانے والوں کے علاوہ پانچ چھ چھوٹے چھوٹے بچے تھے - پتا مرتے ہوئے کچھ قرضے کا بوجھ سر پر چھوڑ گیا تھا - جس کے اُتارنے کا فکر ہر وقت اس کے سر پر سوار رہتا تھا - مگر اُس نے ایک صابر اور شاکر دل پایا تھا - اور اس لئے وہ ایک پورے گرہست اور اس کے اوپر ایک زبردست قرضے کا بوجھ سر پر رکھتا ہوا بھی کبھی ہراساں نہ ہوتا تھا اور صبر و شکر کے ساتھ اکیلا ہی اپنے کام میں جٹا رہتا تھا +

(۳)

ایک دن بیچارہ معمول سے بھی سویرے تاروں کی چھاؤں میں دو باسی روٹیاں چادر میں لپیٹ - بیلوں کو کھول - اور اُن کے کندھے پر ہل رکھ کر کھیت پر جا پہنچا - چادر کو تو اُس نے کھیت کی ڈول پر ایک جھاڑی کے نیچے رکھ دیا - اور آپ ہل جوتنے لگا تین چار گھنٹے کی لگاتار محنت کے بعد بیچارے کو جب بھوک نے ستایا تو وہ ہل چھوڑ - بیلوں کو بھوسہ ڈال - پانی

بلا - اپنی روٹی لینے کے لئے جھاڑی کے پاس جہاں اُس نے چادر رکھی تھی۔ گیا - لیکن چادر اُٹھا کر کیا دیکھتا ہے - کہ روٹیاں غائب ہیں - اور خالی چادر ہی پڑی ہے۔ حیران رہ گیا - کہ "ہے ایشور! روٹیاں کون لے گیا؟ کوئی کُتا وغیرہ لے جاتا - تو پھر چادر کو اسی طرح لپیٹ کر کون رکھتا؟ ضرور یہ کسی بھوکے آدمی کا کام ہے - چلو اچھا اسی کا بھلا ہو! اگر مَیں دو چار چھنٹے اور روٹی نہ کھاؤنگا تو کون سا مر جاؤنگا"۔

اِس طرح سوچ اور اپنے من کو یوں ڈھارس دیکر دھرم داس نے ایک لوٹا پانی پینے پر ہی صبر کیا - اور کچھ دیر بعد پھر اپنے کام پر لگ گیا۔

(۴)

دھرم داس کی روٹیاں در اصل ادھرم راج کے کارکُن نے اُڑا لی تھیں - جو ادھرم راج سمیت کہیں پاس ہی چھپا ہُوا تھا - اور اُسے دھرم داس کی صبر اور شکر کی عادت دکھلانا چاہتا تھا۔

دھرم داس کی یہ حالت دیکھ کر ادھرم راج کو بہت غصّہ آیا - اور اپنے کارکُن پر خفا ہو کر کہنے لگا - بیوقوف! تم کام کرنا کیا جانو! اگر دُنیا کے سب لوگ ایسے ہی صابر اور شاکر ہو جائینگے - تو ہمارا کام کیسے چلیگا؟ دھرم راج نہ فوراً ہماری سب طاقت کُچل دیگا - اور ہماری سب کی کرائی محنت برباد ہو جائے - اس لئے فوراً کوئی ایسی چال چلو - جس سے اُس کی یہ صبر و شکر کی عادت چھوٹ کر

اور دیا دھرم کا خیال اس کے دل سے دُور ہو کر وہ ہمارے پھندے میں پھنس سکے۔ اگر تم ایسا نہ کر سکے - تو یاد رکھو تمہیں پھانسی دیدی جائیگی ÷

(۵)

ادھرم راج کا یہ نادر شاہی حکم سُن کر کارکُن بڑا گھبرایا۔ مگر

اب پچھتائے ہوت گیا جب چڑیاں چُگ گیئں کھیت

مثل مشہور ہے۔ ” حکم حاکم مرگ مفاجات“۔ چار و ناچار وہ کارکُن ادھرم راج سے الگ ہو کر دھرم داس کے پاس آیا۔ اور اس سے میٹھی میٹھی باتیں بنا کر اُس کے پاس نوکر ہو گیا۔ ہر چند کہ دھرم داس کی حالت ایسی نہ تھی۔ کہ وہ نوکر رکھ سکتا۔ مگر اس کارکُن نے اُسے وہ سبز باغ دِکھلائے۔ اور اس سے ایسی کم تنخواہ مانگی - کہ وہ اسے نوکر رکھنے پر تیار ہو گیا۔ اور ایسی برائے نام تنخواہ پر ایسے ہوشیار آدمی کے مل جانے پر اُس نے اپنے آپ کو نہایت خوش قسمت سمجھا ÷

(۶)

جب اگلی فصل بونے کے دن آئے۔ تو ادھرم راج کے کارکُن نے دھرم داس کو یہ صلاح دی۔ کہ ” یہ فصل کسی نشیب والی زمین میں جہاں پانی مدت تک ٹھہرتا ہو بونی چاہیئے “ ÷

دھرم داس نے اس کی بات مان کر فوراً ایک نشیب دار زمین کا ٹکڑہ لگان پر لیکر اُسے اچھی طرح جوت کر بودیا۔

قسمت کے کھیل - اِس سال پہلے ایک دو معمولی بارشیں ہو کر خشک سالی ہو گئی - اور لوگوں کے کھیت جو اُونچائی پر تھے - کافی پانی نہ ملنے کے باعث سُوکھ کر مُرجھا گئے - لیکن دھرم داس کا کھیت چونکہ نشیب پر تھا - اور اِرد گِرد کی زمینوں کا سب پانی بہ کر اس میں جمع ہوتا تھا - خوب ہرا بھرا رہا - اور فصل پر خوب پھُولا پھلا - جس سے دھرم داس کو خُوب نفع ہُوا - اس نے اپنا سب قرضہ بھی بیباق کر دیا - اور وہ ایک خاصہ عزّت دار اور مالدار کسان بن گیا ؂

(۷)

اگلی فصل کے موقع پر اس کارکُن نے دھرم داس کو یہ مشورہ دیا - کہ "اس مرتبہ نشیب میں فصل بونے سے کام نہ چلیگا - پچھلے سال بارش کم ہونے کے باعث نشیب کی زمین میں فصل بونے میں فائدہ رہا - اس دفعہ خُوب مینہ برسیگا - اس لئے اُونچی سی جگہ پر زمین لیکر فصل بونی چاہیئے" ؂

دھرم داس نے ایسا ہی کیا - اور پہلا کھیت چھوڑ کر اُس کی بجائے ایک اُونچے ٹیلے کے کھیت کو جو آبپاشی کی مشکلات کے باعث بہت کم لگان پر دے دیا جاتا تھا لے لیا - اور ایک دو مرتبہ ہل پھیر کر اُس میں فصل بو دیئی - اتفاق کی بات ادھرم راج کے کارکُن نے جیسا خیال ظاہر کیا تھا - ویسا ہی ہُوا - اندرؔ مہاراج نے جل تھل[1] ایک کر دیئے - چاروں طرف گرد و نواح میں پانی ہی پانی دکھلائی دینے لگا - پاس ہی ایک برساتی ندی

[1] بارش کا دیوتا ؂ [2] تری اور خشکی ؂

تھی۔ اس کا پاٹ میلوں چوڑا ہو گیا۔ بڑی مشکل سے جوں
توں کر کے لوگوں نے اپنے مکانوں کو بچایا۔ مگر پھر بھی
فصل کا بارش کی کثرت سے ستیا ناس ہو گیا ؞

لیکن دھرم داس اس مرتبہ بھی مزے میں رہا۔
اس کے ٹیلے والے کھیت میں خوب پیداوار ہوئی۔ جس
نے اسے مالا مال کر دیا ؞

(۸)

اب کیا تھا۔ دھرم داس نے ادھرم راج کے
کارکن کو دیوتا کی طرح پوجنا شروع کر دیا۔ بغیر اس کے
صلاح مشورے کے کوئی کام ہی نہیں کرتا تھا۔ اس کارکن
نے بھی اس کے من میں لالچ اور حسد وغیرہ عیب پیدا
کر کے آہستہ آہستہ اس کی صبر اور شکر کی عادت کو جڑ
سے اکھاڑ پھینکا۔ ایک دفعہ موقع پا کر شراب کھینچنی بھی
سکھا دی۔ بس پھر کیا تھا۔

سمندِ ناز پہ اک اور تازیانہ ہوا

دھرم داس جی کھل کھیلے۔ سب بیوی بچوں کو اپنے ہی
رنگ میں رنگ لیا۔ اور خوب پیالہ پر پیالہ چلنے لگا۔ یار
دوست۔ عزیز و اقارب جو کوئی بھی آتا۔ اس کی ارغوانی
شراب سے تواضع ہوتی۔ غرضیکہ پانی کی جگہ بھی شراب کا
پیالہ ہی چڑھنے لگا۔ اور اس کے ساتھ ہی لڑائی جھگڑا
مار پیٹ۔ بغض و حسد۔ غرور۔ نخوت سب عیبوں نے دھرم
داس پر قبضہ جما لیا۔ اور وہ پورا ادھرم داس
بن گیا ؞

(۹)

اس طرح دھرم داس کو ادھرم داس بنا کر ادھرم راج کا کارکُن خوش خوش ادھرم راج کے پاس پہنچا۔ اور بولا۔ "مہاراج! آج میری کارگزاری مُلاحظہ فرمائیے۔ جو شخص کسی زمانے میں دھرم داس بنا ہُوا تھا۔ آج آپ کا غلام بے دام ادھرم داس بن رہا ہے۔ آج اُس نے اپنی خوش قسمتی کی تقریب میں سب برادری کی دعوت کی ہے۔ ذرا آپ بھی چل کر تماشہ دیکھئے۔ خوب موج بہار رہیگی اور حضور پر میری کارگزاری ظاہر ہو جائیگی +

اِدھر ادھرم راج کو اس کا کارکُن یہ خوشخبری سُنا کر آیا۔ اُدھر دھرم داس نے جو پہلے سب جانوروں پر رحم کرنا اپنا دھرم سمجھا کرتا تھا۔ اپنی برادری میں نام پانے کے لئے دس بیس بکرے اور سو پچاس مُرغے کاٹ ڈالے۔ شراب تو پہلے ہی سے کافی تیار کر رکھی تھی۔ پُوری۔ کچوری۔ پلاؤ۔ قورمہ۔ کباب۔ امرتی۔ جلیبی۔ لڈو۔ غرضیکہ سب اُمیری کھانے تیار ہُوئے۔ اور شہر سے ایک دو مشہور رنڈیوں کو راگ رنگ کے لئے بُلا لیا گیا۔ سرِ شام ہی سے مہمانوں کی آمد شروع ہو گئی۔ اور ناچ مُجرا ہونے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ دَور بھی چلنے لگا۔

(۱۰)

اسی محفل میں ایک طرف ادھرم راج اور اس کا کارکن بھی بیٹھ کر تماشہ دیکھنے لگے۔ نشہ جمنے پر دھرم داس

کے ایک زندہ دل یار نے اشارہ کیا۔ کہ "یار ان رنڈیوں کے ہاتھ سے شراب پینے میں کچھ مزا نہیں آتا۔ اب تو ہم بھابی (دھرم داس کی بیوی) کے ہی ہاتھ سے پیئینگے"۔

وہاں کیا دیر تھی۔ بھابی جی۔ جو پہلے ہی اس رنگ میں رنگی جا چکی تھیں۔ اشارہ پاتے ہی آ پہنچیں اور بوتل ہاتھ میں لیکر ساقی کی خدمات سر انجام دینے لگیں۔ دھرم داس کی بیوی کے ہاتھ سے پیالہ پی پی کر برادری والے گیدڑ کی طرح خوشی سے پھول گئے اور اُس کی تعریفوں کے پُل باندھنے لگے۔

اتفاق سے ایک مرتبہ نشہ کی جھوک میں اس عورت کے ہاتھ سے بوتل چھُوٹ گئی۔ جس پر دھرم داس نے اُسے جھڑک کر کہا۔ "بدتمیز کہیں کی۔ کیا اِسے بھی نالہ کا پانی سمجھا ہے؟ جو یُوں پھینک دیا"۔

کارکُن نے ادھرم راج سے کہا "دیکھا! یہ وُہی شخص ہے۔ جو سخت بھُوک کے وقت بھی روٹیاں چوری جانے پر پرماتما کا دھنیّباد کرتا تھا۔ اور صبر سے ساتھ پانی پی لیتا تھا"۔

ادھرم راج یہ نظارہ دیکھ کر بہت خوش ہُوا۔ اور کہنے لگا۔ کہ "یہ لوگ نشہ میں بدمست ہو کر جب مار پیٹ کرینگے۔ تب کام بنیگا"۔ کارکُن نے کہا "ابھی کیا ہے۔ ذرا اَور دُور چلنے دیجئے۔ پھر مزا دیکھئے"۔

(۱۱)

دھرم داس کی بیوی اس طرح بھری محفل میں جھڑکی

۱؎ شکریہ۔

کھا کر بہت بگڑی۔ اور کسی کے منائے نہ منی۔ منہ پھلا کر چلی گئی۔ دھرم داس نے بھی نشہ کی ترنگ میں کہ دیا" جانے بھی دو چڑبل کو۔ ہم کسی کے دبیل بستے ہیں۔ جو خوشامد کرینگے۔ ہمارے بھی ہاتھ ہیں۔ ہم پنچوں کو اپنے ہاتھ سے پریم پیالہ بھر بھر کر پلائینگے"۔

چند دور اور چلنے پر سب شیروں کی طرح غرانے لگے۔ کسی نے کسی کو گالی دی۔ کسی نے کسی کے چپت جڑی۔ کسی نے نوچا۔ کسی نے کھسوٹا۔ بہت سے منچلے اپنے آپ ہی بوتلیں اُٹھا اُٹھا کر چڑھانے لگے۔ اور چند منٹ بعد یہ حالت ہوئی۔ کہ سب وحشیوں کی مانند ننگے ناچنے اور "ہا ہو" کرنے لگے۔ کسی نے قے کر دی۔ کوئی لڑکھڑا کر اسی میں گر پڑا۔ کسی نے نالی میں بسیرا کیا۔ اور سؤر کی مانند وہیں گھُرگھُرانے لگا۔

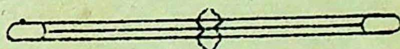
یہ تماشہ دیکھ کر ادھرم راج نے خوش ہو کر کہا۔ "واہ بھئی واہ! یہ تمہارا منتر پورا ہے۔ شاید تم نے اس شراب میں گیدڑ۔ شیر اور سؤر کا خون ملایا ہے۔ جو پہلے تو یہ گیدڑ کی طرح پھولے پھر شیر کی طرح غرائے۔ اور پھر سؤر کی مانند گندگی پر جھک گئے"۔

(۱۳)

کارکن نے کہا "مہاراج! یہ بات نہیں۔ دستور یہ ہے کہ جب تک آدمی کے پاس صرف بھوک دور کرنے کے لئے اناج ہوتا ہے۔ تب تک وہ کوئی شرارت نہیں کرتا۔ کیونکہ اس نقطۂ خیال سے انسان اور حیوان میں کچھ

بہت فرق نہیں ہوتا۔ لیکن جونہی اسے ضرورت سے زیادہ
ملتا ہے۔ اس کو طرح طرح کی شیطنت سوجھنے لگتی ہے۔
یہی منتر میں نے بھی اس پر چلایا ہے۔ پہلے یہ ضرورت
کے موافق اناج پاتا تھا۔ اس لئے صبر اور شکر کرتا تھا
میں نے اسے اتنا اناج دلوایا۔ کہ اس کی عقل پر
پردہ پڑ گیا۔ اور ایشور کی دی ہوئی فائدہ بخش چیزوں
کو نشہ آور بنا ڈالا۔ گیدڑ۔ شیر اور سؤر کا جوہر انسان
میں پہلے سے ہی موجود ہے۔ جو اپنے مناسب وقت
پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ اب یہ نشہ کا غلام بن کر ہمیشہ
جانور بنا رہیگا"۔

ادھرم راج نے اپنے اس کارکن کی دانائی سے
خوش ہو کر اس کو اپنا مصاحب اعلیٰ بنا لیا۔ اور بہت
کچھ انعام و اکرام دیا۔



24 July 1930,

دسویں کہانی

ٹھیک وقت - ٹھیک آدمی اور ٹھیک کام

(۱)

راجہ گیان سنگھ ایک دن دربار سے فارغ ہو کر اور کھانے پینے سے نبٹ کر اپنے محل میں آرام کر رہے تھے - کہ ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا - کہ "کسی کام کے شروع کرنے کا ٹھیک وقت کونسا ہو سکتا ہے" انہوں نے اپنے دل میں اس سوال پر ہر چند غور کیا - مگر اس کا جواب ملنا تو درکنار - ایک سوال دل میں اور پیدا ہو گیا - وہ یہ کہ "کس کام کے لئے کونسا آدمی ٹھیک ہو سکتا ہے"؟ اس سوال پر سوچنے سے یہ ایک اور سوال سامنے آگیا - کہ "کسی آدمی کے لئے کونسا کام ٹھیک ہو سکتا ہے"؟

اِن تینوں سوالوں کے پیدا ہونے پر راجہ گیان سنگھ نے اِن کا جواب سوچنے میں کئی گھنٹے لگا دئے مگر عقل نے کچھ کام نہ دیا - اور سب عیش و آرام اُڑ کر اس کی بجائے ایک طرح کی فکر دل میں پیدا ہو گئی - جس سے چھٹکارا پانے کے لئے آپ نے فوراً اپنے وزیر اعظم بدھی ساگر کو یاد کیا ٭

(۲)

حکم کی دیر تھی۔ اِطلاع پاتے ہی وزیر اعظم بُدّھی ساگر آموجود ہُوئے۔ راجہ گیان سنگھ اس وقت سر جھُکائے اپنے اُن ہی تینوں سوالوں کے جواب سوچنے کی اُدھیڑ بن میں لگے ہُوئے تھے۔ اور ایسے محو تھے۔ کہ آپ کو بُدّھی ساگر کے آنے تک کا بھی پتہ نہ لگا۔ بُدّھی ساگر نے آکر ہاتھ جوڑ کے پرنام کیا اور کہا۔ "شری مہاراج! حکم کیجئے۔ آج اس وقت کیسے یاد فرمایا ہے؟

گیان سنگھ۔ "بُدّھی ساگر جی آئیے۔ تشریف رکھئے۔ کوئی خاص کام تو نہیں۔ ویسے ہی بیٹھے بیٹھے دل میں چند سوالات ایسے پیدا ہو گئے۔ جن کا کوئی جواب ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ اور سوال بھی ایسے ضروری ہیں۔ کہ اگر ان کا ٹھیک ٹھیک جواب مل جائے۔ تو ہمیں راج کاج میں بڑی مدد مل سکتی ہے"۔

بُدّھی ساگر۔ "مَیں بھی تو سنوں وہ کون سے سوالات ہیں۔ جو سری مہاراج کے من میں پیدا ہوئے ہیں۔ اور جن کو سری مہاراج جیسے عقلمند اور دور اندیش مہاراجہ بھی حل نہیں کر سکتے؟ اکثر ایسا ہو جاتا ہے۔ کہ جو بات بڑے بڑے دانشمندوں کے دھیان میں نہیں آتی۔ وہ ایک معمولی انسان کی سمجھ میں آجاتی ہے۔ اس لئے ممکن ہے۔ کہ مَیں کم عقل ہی آپ کے سوالوں کا کچھ جواب دے سکوں"۔

گیان سنگھ۔ "منتری[1] جی۔ بھلا آپ یہ کیا فرماتے ہیں۔ آپ تو سچ مچ کے بُدّھی[2] ساگر ہیں۔ راج کے اصلی چلانے والے

[1] وزیر صاحب ۔ [2] عقل کے سمندر ۔

इनकसारी = नम्रता

تو آپ ہی ہیں۔ مَیں تو صرف آپ کے مشورہ پر کام کرنے والا ہوں۔ آپ اور آپ کے ساتھی وزیروں کے نہ ہونے پر ایشور جانے مجھ سے کیسی کیسی غلطی ہوتی۔ آپ ہی لوگ مجھے ٹھیک راستے پر چلا کر ایشور کے احکام کی تعمیل میں جانداروں کی خدمت کرنے کا موقع دیتے ہیں"۔

بُدھی ساگر۔ "مبارک ہے مہاراج! آپ کی یہ انکساری اور قابل تعریف ہیں یہ پاکیزہ خیالات۔ تب ہی تو دُنیا میں آپ کی شُہرت اور نیک نامی پھیل رہی ہے۔ ہاں! تو وہ سوالات کیا ہیں"؟

گیان سنگھ۔ "سُنئے! مَیں جاننا چاہتا ہوں۔ کہ کسی کام کے کرنے کا ٹھیک وقت کونسا ہے؟ کسی کام کے لئے ٹھیک آدمی کونسا ہو سکتا ہے؟ اور کسی آدمی کے لئے ٹھیک کام کونسا ہو سکتا ہے؟

بُدھی ساگر۔ "دھنّ ہے مہاراج! بڑی دُور کی سوجھی۔ سچ مُچ یہ تینوں سوال ایسے ہیں۔ کہ اگر کسی انسان کو ان کا ٹھیک جواب معلوم ہو جائے۔ تو دُنیا میں اُسے کوئی دُکھ نہیں رہ سکتا۔ مگر ان کا جواب جاننا کوئی آسان بات نہیں۔ اگر آپ حکم دیں۔ تو مَیں کل سوچ کر اس کا جواب دُوں۔ شاید آپ کے پسند آ جائے"!

گیان سنگھ۔ "اچھا! جیسی آپ کی مرضی"!

(۳)

اگلے روز دربار کے کام سے فارغ ہونے کے بعد جب سب امیر وزیر اپنی اپنی جگہ پر موجود تھے۔ راجہ گیان سنگھ

نے بُدّھی ساگر وزیر سے کہا۔"منتری جی! ہمارے سوالوں کا کچھ جواب سمجھ میں آیا"؟

بُدّھی ساگر۔" مہاراج! عقل پر زور تو بہت ڈالا۔ اور سچ پوچھو۔ تو رات بھر اسی اُدھیڑ بُن میں نیند بھی نہیں آئی۔ مگر کوئی معقول جواب دھیان میں نہیں آیا۔ کسی کام کے کرنے کا ٹھیک وقت تو اسی طرح پر مقرر ہو سکتا ہے کہ اُس وقت وہ کام کیا جائیگا اور اُس وقت وہ کام ہو گا۔ اور پھر گھڑی دیکھ کر ٹھیک وقت پر وہ کام کر لیا جائے"۔

گیان سنگھ" یہ جواب تو کچھ اطمینان بخش نہیں ہوا۔ بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں جن کے لئے آدمی کوئی وقت مقرر کر ہی نہیں سکتا۔ یا وقت مقررہ پر ان کو کرتا بھی ہے۔ مگر بعد میں معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ وقت اس کام کے کرنے کا نہیں تھا"۔

بُدّھی ساگر" ہاں! یہ تو آپ نے سچ فرمایا۔ تب ہی تو مَیں نے کہا تھا۔ کہ کوئی جواب سمجھ میں نہیں آیا"۔

گیان سنگھ" اچھا! کون آدمی کس کام کے لئے ٹھیک ہے؟ یہ کیسے جان پڑے"؟

بُدّھی ساگر۔" اس کے جاننے کا میرے خیال میں صرف ایک ہی طریقہ ہو سکتا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ ہر آدمی کے چال چلن۔ بُود و باش۔ اور طرز طریق کو دیکھ کر اچھی طرح اندازہ لگا لیا جائے۔ کہ وہ کیا کام اچھی طرح کر سکتا ہے۔ اور پھر اس سے وُہی کام لیا جائے"۔

२५ जनवरी १९६०

२. प्रश्न २ गति x, कार्य प्रणाली

گیان سنگھ "یہ جواب بھی کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ دانا سے دانا۔ اور ہشیار سے ہشیار آدمی بھی اکثر کسی آدمی کی قابلیت جانچنے میں غلطی کھا جاتے ہیں"۔

بدھی ساگر "ہاں مہاراج! ہوتا تو ایسا ہی ہے"۔

گیان سنگھ "اچھا۔ یہ کیسے جانا جائے۔ کہ کسی آدمی کے لئے کیا کام ٹھیک ہے"؟

بدھی ساگر "مہاراج! کیا بتاؤں۔ مَیں نے تو اس کا یہی جواب سوچا تھا۔ کہ آدمی کی طاقت۔ عقل اور تمیز وغیرہ کا اندازہ کر کے چار منشیوں سے صلاح لیکر یہ جان لینا چاہیئے۔ لیکن یہ جواب بھی میری سمجھ میں ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔ تو آپ کا اس سے کب اطمینان ہو سکتا ہے"۔

گیان سنگھ "اچھا! ان مشکل سوالات کا اگر تمہیں کوئی جواب نہیں سوجھا۔ تو کیا مضایقہ ہے۔ ہم سب سروگیہ (سب کچھ جاننے والے) تھوڑا ہی ہیں۔ جو دنیا کی سب باتوں کو جان سکیں۔ لیکن پھر سوچنا۔ سمجھ میں آ جائے تو اچھا۔ نہیں تو نہ سہی۔ (دیگر وزیروں امیروں سے)۔ آپ سب صاحبان بھی میرے ان سوالوں پر غور کرنا۔ شاید کسی کی سمجھ میں آ جائے۔ جو ان کا جواب ٹھیک دیگا۔ اُسے خوب انعام ملیگا۔

(۴)

مہاراجہ کے ان مشکل سوالات نے سب کو چکرا دیا۔ سب امیروں۔ وزیروں نے اپنی سمجھ کے موافق جواب دیئے۔ کسی نے کہا "انسان کو ٹھیک وقت پر کام کرنے کے

सर अंजाम = पूरा ... ज्योतिषियों
साअत = घड़ी ... मरदुमशनास = मनुष्य परीक्षक

لئے ایک نوٹ بک[1] بنا کر وقت۔ دن۔ مہینے وغیرہ لکھ لینے چاہئیں۔ اور مقرر کر لینا چاہیئے۔ کہ فلاں دن فلاں وقت فلاں کام کرونگا۔ اور ہر وقت اس نوٹ بک کو سامنے رکھ کر ہر کام کو ٹھیک وقت پر کرنا چاہیئے"۔ کسی نے کہا۔ "کام شروع کرنے کا ٹھیک وقت معلوم ہونا ہی ناممکن ہے۔ آدمی کو چاہیئے۔ کہ فضول وقت نہ کھوئے۔ ہمیشہ اپنا فرض سر انجام دیتا رہے"۔ کسی نے کہا۔ "راجہ کیسا ہی عقلمند کیوں نہ ہو۔ وہ اکیلا کسی کام کے شروع کرنے کے لئے وقت مقرر نہیں کر سکتا۔ اُسے اپنے وزیروں امیروں سے مشورہ کرکے وقت مقرر کرنا چاہیئے"۔ کوئی بولا۔ "جوتشیوں۔ نجومیوں۔ رمّالوں وغیرہ سے شگون۔ ساعت۔ گھڑی پُوچھ کر کام شروع کرنا چاہیئے"۔ دُوسرے سوال کے متعلق بھی اسی طرح کسی نے کہا۔ کہ "راجہ کے وزیر بڑے مردم شناس اور دور اندیش ہونے چاہئیں قیافہ[2] شناسی میں انہیں کافی مہارت ہو۔ تاکہ آدمی کی صُورت دیکھتے ہی تاڑ لیں"۔ تیسرے سوال کا بھی اسی طرح جواب ملا۔ کوئی کہتا تھا۔ کہ "فوجی ملازمت ٹھیک کام ہے"۔ کوئی کہتا تھا۔ "ایشور بھگتی"۔ کسی نے علم حاصل کرنے کو۔ کسی نے ہُنر سیکھنے کو ٹھیک کام بتلایا۔ لیکن راجہ گیان سنگھ کو ان جوابوں سے تسلّی نہ ہوئی۔ اور آخر کار اُس نے عام منادی کے ذریعہ اپنے سوالات کو پبلک کے سامنے پیش کرکے ان کا جواب مانگا۔

[1] یادداشت کی کتاب

२ सामुद्रिक विद्या
३ ईश्वर भक्ति

(۵)

سوالوں کا ٹھیک جواب دینے پر انعام ملنے کی لالچ سے بہت سے اشخاص اپنی اپنی سمجھ کے موافق جواب دینے کے لئے آئے۔ مگر کسی کا جواب با صواب ثابت نہ ہُوا۔ ایک روز بُدّھی ساگر وزیر اعظم نے تنہائی میں پہنچ کر راجہ سے کہا۔ کہ مہاراج! آپ کے یہ سوال ایسے ہیں۔ جو معمولی آدمیوں سے حل ہونے والے نہیں۔ ہم لوگ دُنیا کی جھنجٹوں میں پھنسے ہُوئے ہیں اور اس لئے ہماری عقل ایسی باریک باتوں تک نہیں پہنچ سکتی۔ ان کے جوابات معلوم کرنے کی غرض سے ہمیں کسی سادھو مہاتما[۱] کی خدمت میں چلنا چاہئے۔ جو اپنی گیان[۲] درشٹی سے قدرت کے تمام رازوں سے واقف ہو کر پرم پتا پرماتما کی گود میں ہر وقت مگن رہتے ہیں"۔

گیان سنگھ "بُدّھی ساگر جی! آپ نے بات تو ٹھیک کہی۔ اگر آپ کو کسی ایسے گیانی مہاتما کا پتہ معلوم ہو۔ تو بتلائیے۔ ان ہی کی خدمت میں چلیں"۔

بُدھی ساگر "مہاراج! یہاں سے پچیس تیس میل کے فاصلے پر دھرم پور گاؤں کے قریب جنگل میں ایک مہاتما رہتے ہیں۔ ممکن ہے وہ آپ کے سوالوں کا جواب دے سکیں۔ مگر اُن کی خدمت میں آپ کو تنہا ہی جانا چاہئے۔ تا کہ اُن کی گوشہ نشینی میں خلل پیدا نہ ہو"۔

گیان سنگھ "ہاں! ایسا ہی کرونگا۔ کل علے الصباح[۳]

---

[۱] فقیر ناخدا۔ [۲] نگاہِ علم۔ [۳] باطنی نظر۔ [۴] صبح۔

९, गाँव का सार्वजनिक गृह

ہی مَیں یہاں سے گھوڑے پر روانہ ہو جاؤنگا - اور ٹھنڈے ٹھنڈے پہنچ جاؤنگا - دن بھر وہاں ٹھیر کر شام کو واپس آ جاؤنگا" ٭

بدّھی ساگر - "یہ ٹھیک ہے - آپ معمولی آدمیوں کی سی پوشاک پہن کر سیدھے سادے بھیس میں جائیے - کیونکہ وہ امیروں سے دُور بھاگتا ہے" ٭

گیان سنگھ - "ایسا ہی ہوگا" ٭

21 July 1930
२६ जुलाई १९३०

(۴)

اگلے روز راجہ گیان سنگھ علی الصباح بھیس بدل کر چند آدمیوں کو ساتھ لے گھوڑے پر سوار ہوا اور دھرم پور کی طرف چل پڑا - دھرم پور پہنچتے ہی اُس نے اپنے گھوڑے اور دُوسرے آدمیوں کو چوپاڑ[۲] میں چھوڑ دیا - اور آپ کچھ معمولی پھل پھول سادھو کی بھینٹ[۱] کے لئے لیکر اُس کی کُٹی[۲] کی طرف چل دیا وہاں پہنچ کر کیا دیکھتا ہے - کہ سادھو اپنی کُٹیا کے سامنے کسی ہاتھ میں لئے زمین کھود رہا ہے - راجہ شردھا اور بھگتی[۳] سے پرنام[۴] کرکے ایک طرف بیٹھ گیا - جب مہاتما بہت دیر تک زمین کھودتا کھودتا پسینے میں شرابور ہو گیا - تو راجہ کے بھگتی بھاؤ[۵] نے زور مارا اور وہ اس کے پاس جا کر کہنے لگا - "مہاراج! اب آپ بہت تھک گئے ہیں - کسی مجھے دیجئے - مَیں کھود ڈالتا

[۱] نذر ٭ [۲] جھونپڑی ٭ [۳] صدق و عقیدت ٭ [۴] سلام ٭ [۵] عقیدت مندی ٭
विश्वास भक्ति

ہوں ۔ آپ اتنے آرام کریں ۔

مہاتما نے کسی دیدی ۔ اور راجہ زمین کھودنے لگا۔ جب کچھ دیر زمین کھودتے ہوئے ہو گئی ۔ تو مہاتما نے راجہ کو آواز دیکر کہا "بھگت! بس رہنے دو ۔ یہاں آ جاؤ" راجہ آواز سن کر مہاتما کے پاس آ گیا ۔ اور کہنے لگا "میں آپ سے تین باتیں پوچھنے آیا ہوں" ۔

مہاتما ۔ "پوچھو!

راجہ ۔ "پہلی یہ کہ کسی کام کے کرنے کا ٹھیک وقت کونسا ہے ؟ دوسری یہ کہ کس کام کے لئے کونسا آدمی ٹھیک ہے ؟ اور تیسری یہ کہ کس آدمی کے لئے کونسا کام ٹھیک ہے ؟

مہاتما یہ سن کر چپ ہو گئے ۔ تھوڑی دیر بعد راجہ نے پھر کہا ۔ "آپ نے میرے سوالوں کا جواب نہیں دیا" مہاتما نے دوسری طرف اشارہ کرکے کہا "دیکھو کوئی بھاگا آ رہا ہے" راجہ نے اس طرف نظر اُٹھائی ۔ تو دیکھا ۔ کہ ایک آدمی اپنے دونو ہاتھوں سے پیٹ دبائے بھاگا آ رہا ہے ۔ اور اس کے ہاتھوں سے لہو بہہ رہا ہے ۔ وہ شخص راجہ اور سادھو کے پاس آتے ہی بیہوش ہو کر گر پڑا ۔

(۷)

راجہ اور سادھو نے پاس جا کر اُس کا کُرتہ اُٹھایا ۔ تو اُس کے پیٹ میں زخم لگا ہوا دکھلائی دیا ۔ راجہ نے پانی لا کر اس زخم کو دھویا ۔ اُوپر سے پٹی

باندھ دی۔ اور سادھو کی مدد سے اس آدمی کو اُٹھا کر کُٹیا میں لے گیا۔ سادھو نے تھوڑا سا گرم دودھ اس کو پلایا۔ اتنے میں رات ہو گئی۔ اور راجہ نے مجبوراً رات وہاں ہی بسر کی۔ صبح کے وقت اس زخمی آدمی کو کچھ ہوش آیا۔ اور وہ ہاتھ جوڑ کر راجہ سے معافی مانگنے لگا۔ راجہ نے پوچھا۔ "معافی کیسی؟ میں نے تمہیں کبھی دیکھا ہی نہیں" ٭

زخمی "آپ مجھ کو نہیں جانتے۔ لیکن میں آپ کو جانتا ہوں۔ آپ نے میرے بھائی کا گھر بار ضبط کر لیا تھا اس لئے میں نے اپنے دل میں آپ کو مار کر بدلہ لینے کا عہد کیا۔ میں آپ کی تاڑ میں رہنے لگا۔ آج بھی میں نے آپ کو اِدھر آتے دیکھ کر آپ کا پیچھا کیا۔ اور جب آپ اس جنگل کی طرف بڑھے۔ تو میں اس خیال سے بہت خوش ہوا۔ کہ واپس آنے پر آپ کا کام تمام کر ڈالوں گا۔ مگر آپ کے ملازم بھی شاید میری اس خواہش کو جان گئے۔ اور اُنہوں نے آکر مجھے زخمی کر دیا۔ جس کے لئے میں خوش ہوں۔ کیونکہ آپ سے دیالو اور کرپالو[۱] راجہ کو میرے ہاتھوں کچھ دُکھ پہنچتا۔ تو ایشور جانے میں کس نرک[۲] میں ڈالا جاتا۔ اب آپ میرا یہ قصور معاف کر کے مجھے اپنی سیوا میں لیجئے۔ میں اپنا تن من دھن سب کچھ آپ کی بھینٹ[۳] دھرتا ہوں" ٭

[۱] رحیم و کریم ٭ [۲] دوزخ ٭ [۳] نذر کرتا

راجہ نے بڑی خوشی سے اُسے معاف کیا۔ بلکہ اُس کے بھائی کی جائداد کی ضبطی کو منسوخ کرنے کا بھی وعدہ کیا ٭

(۸)

کچھ دیر بعد راجہ نے پھر مہاتما سے کہا۔ "مہاراج! میرے سوالات کا مجھے کچھ جواب نہیں ملا" ٭

مہاتما۔ "مہاراج! آپ کو جواب دیا جا چکا ہے" ٭

راجہ۔ "پربھو! مَیں تو نہیں سمجھا۔ کرپا کرکے مجھے سمجھا دیجئے" ٭

مہاتما۔ "سنو! اگر تم کل مجھ پر ترس کھا کر زمین نہ کھودتے۔ اور جلدی ہی لوٹ جاتے۔ تو یہ آدمی تمھیں ضرور کشٹ دیتا۔ اور اس وقت تم پچھتاتے۔ کہ مَیں سادھو کے پاس کیوں نہ ٹھیرا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ٹھیک وقت وہ تھا۔ جب تم زمین کھود رہے تھے اور ٹھیک آدمی مَیں تھا۔ جس پر تم نے ترس کھایا۔ اور کسّی لیکر زمین کھودنے لگے۔ اور ٹھیک کام تمہارا مجھ پر ترس کھا کر۔ زمین کھودنا تھا۔ اسی طرح جب یہ آدمی آیا۔ تب ٹھیک وقت وہ تھا۔ جب تم اس کا زخم دھو رہے تھے۔ وہ ٹھیک آدمی تھا جس کا تم زخم دھو رہے تھے۔ اور وہ زخم دھونا ٹھیک کام تھا۔ غرضیکہ ہمیشہ زمانہ حال ٹھیک وقت ہے۔ کیونکہ زمانہ حال کے سوا ماضی جو گزر چکا ہے۔ یا مستقبل جو آنے والا ہے۔ اس پر ہمارا کوئی اختیار

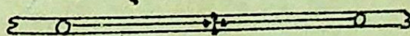
۱؎ حضور ٭ ۲؎ تکلیف

نہیں - جو آدمی وقت پر رمل جائے - وُہی ٹھیک آدمی ہے - اور اُپکار یعنی کسی کو فائدہ پہنچانا ہی ٹھیک کام ہے - جیساکہ ایک ہندی شاعر نے کہا ہے - ؎

برکھشا پھلیں نہ آپ کو ندی نہ پیوے نیر
پر کارج کے کارنے سنتن دھرا شریر

(ترجمہ) درخت اپنے لئے نہیں پھلتے - یعنی ان میں جو پھل لگتے ہیں - وہ درخت خود نہیں کھاتے بلکہ اوروں کی نذر کرتے ہیں - جو انہیں کھا کر لطف اُٹھاتے ہیں اسی طرح ندی بھی اپنا پانی آپ نہیں پیتی - بلکہ اور ہی اس کا پانی پیتے اور کام میں لاتے ہیں - ایسے ہی نیک آدمیوں کی زندگی بھی ان کے اپنے فائدے اور آرام و آسایش کے لئے نہیں ہوتی - بلکہ دُوسروں کو فائدہ اور آرام پہنچانے کے لئے ہوتی ہے - اور اسی میں وہ سچّا آنند پاتے ہیں ؎

२६ जुलाई १९३०.



ا خوشی ؞

گیارھویں کہانی

اُدھرم پر فتح

(۱)

گوبند پور میں رام سنگھ ایک کسان تھا۔ اُس کے تین بیٹے اور ایک گونگی اور بہری بیٹی تھی۔ بڑے بیٹے کا نام ویر سنگھ۔ منجھلے کا دھن سنگھ۔ اور چھوٹے کا دھیر سنگھ نام تھا۔ بیٹی کو سُندری کہا کرتے تھے۔

ویر سنگھ سچ مچ ویر سنگھ ہی تھا۔ لڑائی بھڑائی اور مار پیٹ کا اُسے بچپن ہی سے شوق تھا۔ اِسلئے وہ جوان ہونے پر باپ سے لڑ کر پردیس چلا گیا۔ اور پلٹن میں بھرتی ہو گیا۔

دھن سنگھ کو دھن جمع کرنے اور اُس کو بنج بیوپار میں لگانے کا شوق تھا۔ اور وہ بھی ایک دفعہ موقع پا کر باپ کا کچھ روپیہ جو فصل فروخت ہونے پر وصول ہؤا تھا۔ چُرا کر پردیس کو چل دیا۔ اور وہاں تجارت کرنے لگا۔

دھیر سنگھ بیچارہ سیدھا سادا کسان تھا۔ اُسے دِن بھر یہی محنت مزدوری سے کام تھا۔ اِس لئے دونو بھائی حقارت سے اُسے مُورکھ دھیرو کہا کرتے تھے۔

رہی سُندری۔ وہ اگرچہ صُورت شکل میں اچھی

لہ بہادر شیر۔

تھی۔ مگر بہری گونگی ہونے کے باعث کچھ زیادہ عزّت سے نہیں دیکھی جاتی تھی۔ لیکن اپنے گھر کے کام کاج اور کھانے پکانے وغیرہ میں خوب ہشیار تھی۔ اس لئے ویر سنگھ اور دھن سنگھ کے چلے جانے کے بعد جب اُن کی ماتا سورگ سدھار گئیں۔ تو بہری گونگی سندری ہی نے رام سنگھ اور دھیر سنگھ کے کھانے پینے اور ڈھور ڈنگروں کی ٹہل سیوا کا کام سنبھال لیا۔ اور اُنہیں کوئی خاص تکلیف نہ ہونے دی۔

(۲)

زمانہ گزر گیا۔ ویر سنگھ پلٹن میں بڑھتا بڑھتا اعلےٰ عہدہ دار ہو گیا۔ جاگیر میں چند گاؤں بھی مل گئے۔ اور ایک بڑے جاگیر دار کی لڑکی سے بیاہ بھی ہو گیا۔ لیکن فصل کے موقع پر جب آپ لگان وصول کرنے کے لئے علاقہ میں پہنچے۔ تو کاشتکاروں کا بُرا حال پایا۔ کسی کے پاس ہل تھا۔ تو بیل نہیں۔ بیل تھے۔ تو چرسہ نہیں سب نے کہا "مہاراج! کچھ مدد دیکر سامان پورا کیجئے۔ تو اگلی فصل پر سب لگان ادا کر دینگے"۔

مگر یہاں تو گھر کی مونچھیں ہی مونچھیں تھیں۔ جو کمایا۔ سو ٹھکانے لگا دیا۔ خیال آیا۔ کہ گھر سے کچھ لا کر علاقے کو ٹھیک کرو۔ چنانچہ گھر پہنچے۔ اور باپ سے کہا۔ "کچھ ہمیں بھی دلاؤ۔ ہم بھی تو آپ کے ہی بیٹے ہیں"۔

باپ نے جواب دیا۔ "بھتّے منہ! اب روپے کی ضرورت پڑی۔ تم بیٹے بن کر آئے ہو۔ اتنے سال پردیس میں

رہے۔ جو کمایا سو اُڑایا۔ کبھی بوڑھے باپ کو ایک پیسے سے بھی یاد نہ کیا۔ اب بیچارے دھیر سنگھ کی کمائی میں سے حصہ بٹانے آ موجود ہوئے"۔

ویر سنگھ "اوہ! مورکھ دھیرو کو روپے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ صرف مالگزاری کے لئے ہی تو اُسے چاہئے۔ میرا سارا علاقہ ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ جیسے بنے۔ مجھے تو اس وقت ضرور کچھ مدد ملنی چاہئے"۔

غرضیکہ بہت بحث مباحثہ کے بعد قرار پایا۔ کہ "اگر دھیر سنگھ کو کچھ عذر نہ ہو۔ تو تم اپنا تیسرا حصہ لے لو"۔

دھیر سنگھ بیچارہ دیوتا سبھاؤ تھا۔ اُس نے بڑی خوشی سے ویر سنگھ کو تیسرا حصہ دیدیا۔ مگر ویر سنگھ ایسا بھلا مانس نکلا۔ کہ اس نے دھن سنگھ کو بھی اپنی اس کارگزاری کی اطلاع دیدی۔

اگرچہ دھن سنگھ کا کاروبار خوب چل رہا تھا اور اس نے ایک مالدار سوداگر کی لڑکی سے بیاہ بھی رچا لیا تھا۔ لیکن آتا روپیہ کسے بُرا لگتا ہے۔ چند روز بعد وہ بھی جا دھمکا۔ اور جیسے بھی بنا۔ بیچارے دھیر سنگھ سے اپنے حصے کے دام لیکر پیچھا چھوڑا۔

(۳)

دھرم راج نے جب دیکھا۔ کہ تینوں بھائیوں میں مورکھ دھیرو کے باعث ایسی سہولیت کے ساتھ جدّی جائداد کا فیصلہ ہو گیا۔ تو آپ بہت بگڑے۔ اور فوراً اپنے تین

فرشتہ خصلت

کارکنوں کو بُلا کر حکم دیا۔ کہ جیسے بھی بنے۔ اِن تینوں کی بربادی کا سامان پیدا کرو۔ تینوں کارکنوں نے آپس میں مشورہ کرکے ایک ایک شکار لے لیا۔ اور قرار پایا۔ کہ جس کا کام پہلے ختم ہو جائے۔ وہ دُوسرے کو مدد دے۔

چند روز کے بعد تینوں کارکُن ایک جگہ پر جمع ہوئے تو اُن میں سے ایک جو ویر سنگھ کے پیچھے گیا تھا۔ نہایت خوش ہو کر بولا "بھئی ہمارا کام تو تقریباً ختم ہو چُکا ہے"۔

اَوروں نے پوچھا۔ "کس طرح"؟

اُس نے جواب دیا "کس طرح کیا۔ ہم نے ویر سنگھ کے دِل میں خوب ویرتا بھر کر اِس سے مہاراج کے سامنے یہ کہلوا دیا۔ کہ مہاراج! مجھے سیناپتی بنا دو۔ تو میں آپ کے پُرانے دُشمن امر پور کے راجہ امر سنگھ کو جیت کر اس کا علاقہ آپ کو دِلا سکتا ہُوں۔ راجہ نے فوراً منظور کر لیا۔ اور ویر سنگھ فوج لیکر امر پور پر جا چڑھا۔ لیکن وہاں کرتے دھرتے کچھ نہ بن پڑی۔ اور مار کھا کر واپس بھاگنا پڑا۔ اب راجہ نے اس کا سب علاقہ ضبط کرکے اُسے اپنے راج سے نکال دیا ہے۔ اور وہ 'بیک بینی و دو گوش' اپنی جورو سمیت بھاگ کر دھیر سنگھ کے پاس آنے والا ہے"۔

دُوسرے نے جو دھن سنگھ کے پیچھے گیا تھا۔ کہا۔ "یار کام تو میرا بھی بہت کچھ بن چُکا ہے۔ میں نے

دھن سنگھ کو اُبھار کر اُس سے خوب گھاٹے کا سودا
کرایا ہے - اور وہ ہزاروں روپیہ کا قرضدار ہو گیا
ہے - دو چار روز میں جب قرضخواہوں کی اس پر
یورش ہوگی - اور اس کا گھر بار قرق ہو کر مال و
اسباب کا ایک دو تین ہوگا - تو وہ بھی بھاگ کر
دھیر سنگھ کے پاس پہنچیگا - اور پھر تینوں بھائیوں
میں جوتا پیزار کرانا کچھ مشکل بات نہ رہیگی"۔

تیسرا بولا "بھائیو! تم تو خوش ہو رہے ہو - اور
میں جھُر جھُر کر مر رہا ہوں - میرے کرتے دھرتے تو کچھ
نہیں بنتا - دھیر سنگھ بلا کا شخص ہے - میں نے اس
کے پیٹ میں درد کرکے اُسے بیمار ڈالنا چاہا - مگر اس
نے درد کی بھی پرواہ نہیں کی - اور ہل لیکر کھیت
میں جا پہنچا - اور اور دنوں سے بھی زیادہ مستعدی
سے کام کرنا شروع کر دیا - میں نے زمین کو سخت کر
دیا - مگر اس نے اس کی بھی کچھ پرواہ نہ کی - پھر
میں زمین میں گھُس گیا - اور میں نے اس کے ہل کی
پھالی پکڑ لی - لیکن اُس نے ایسا زور مارا - کہ یہ دیکھو
(ہاتھ دِکھا کر) ہل کی پھالی میرا ہاتھ چیرتی ہوئی نکل گئی"

تیسرے کارکن کی غم بھری کہانی سُن کر اُس کے
دونو ساتھیوں نے اُسے ڈھارس بندھائی - اور کہا - کہ
"ہم اپنا کام ختم کرکے تمہاری مدد کرینگے - اور ضرور
اپنے کام میں کامیاب ہو کر رہینگے"۔

(۴)

اگلے روز جب دھیر سنگھ کھیت میں ہل لیکر پہنچا۔ تو وہاں ایک عجیب سی جھاڑی دیکھ کر سخت متعجب ہوا۔ کیونکہ پہلے دن وہ کھیت صاف تھا۔ اور اس میں کوئی جھاڑی نہ تھی۔ مگر پھر فوراً ہی کسی لیکر جُٹ گیا۔ اِدھر اُدھر سے زمین کھود کر تنا پکڑ کے جو کھینچا۔ تو جڑ کے ساتھ ہی ادھرم راج کا کارکُن بھی نکل آیا۔ جس نے اپنی طاقت سے مصنوعی طور پر یہ جھاڑی پیدا کی تھی۔

دھیر سنگھ نے اُسے دیکھتے ہی اس کی گردن دبالی وہ گڑگڑا کر بولا "میں غلام ہوں۔ جو حکم دو سو کروں"۔

دھیر سنگھ نے کہا "اچھا! پہلے تو میرے پیٹ کا درد دُور کرو۔ کل سے میرے پیٹ میں سخت درد ہے۔ کسی طرح آرام نہیں ہوتا"۔

یہ سُن کر وہ کارکُن گیا۔ اور کچھ بوٹی لے آیا۔ وہ بوٹی کھاتے ہی دھیر سنگھ کا درد دُور ہو گیا۔ اُس نے باقی بوٹی بھی اُسے دیکر کہا "یہ ہر مرض کی دوا ہے۔ جسے کھلا دو گے۔ وُہی اچھا ہو جائیگا"۔

دھیر سنگھ نے کہا "اچھا جاؤ! پرماتما تمہارا بھلا کرے"۔

پرماتما کا نام سُنتے ہی وہ ادھرم راج کا کارکُن زمین میں سما گیا۔ اور وہاں ایک سُوراخ سا رہ گیا۔

(۵)

اگلے روز ویر سنگھ والا کارکُن آکر کھیت میں اپنے ساتھی کو تلاش کرنے لگا۔ مگر بہت کھوج کے بعد سُوراخ

دیکھ کر سمجھ گیا - کہ ساتھی کام آیا - پھر سوچا - کہ ہم ہی اس کا کام پورا کریں - یہ سوچ کر وہ چری کے ڈھیر میں چھپ گیا ÷

تھوڑی دیر میں دھیر سنگھ بھی گاڑی لیکر چری گھر لے جانے کے لئے آ پہنچا - اور چری اُٹھا اُٹھا کر گاڑی میں لادنے لگا - کچھ چری اُٹھانے کے بعد دیکھتا کیا ہے - کہ ادھرم راج کا کارکُن چری میں چھپا بیٹھا ہے ÷

اُسے دیکھ کر بولا "ارے کمبخت تو پھر آ پہنچا"؟

وہ گڑگڑا کر بولا "میں اُس کا بھائی ہوں - مجھے مت مارو - جو کہو - میں کرنے کو تیار ہوں" ÷

دھیر سنگھ نے پوچھا "تم کیا کر سکتے ہو"؟

اُس نے جواب دیا - "میں اس چری کی فوج بنا سکتا ہوں" ÷

دھیر سنگھ نے کبھی گاؤں میں سے فوج کو باجا بجاتے ہوئے گزرتے دیکھا تھا - جو کہ اُسے بہت پسند آیا تھا - فوج کا نام سنتے ہی اُس نے پوچھا "تمہاری فوج گا بجا سکیگی"؟

کارکُن نے کہا - "ہاں" ÷

دھیر سنگھ نے کہا "تو تھوڑے سپاہی بنا کر دکھاؤ اور گانا و باجہ سنواؤ" ÷

کارکُن نے فوراً چری سے بینڈ کے سپاہی بنا دئے اور پھر انہیں چری بنا دیا ÷

یہ ترکیب سیکھ کر دھیر سنگھ نے اُس کارکُن کو جانے کی اجازت دیکر کہا "جاؤ ایشور تمہارا بھلا کرے"-

وہ بھی ایشور کا نام سُن کر زمین میں سما گیا - اور وہاں ایک سُوراخ سا رہ گیا *

(۶)

جب دھیر سنگھ اس طرح ادھرم راج کے دُوسرے کارکُن کو بھی ٹھکانے لگا کر گھر آیا - تو کیا دیکھتا ہے - کہ گھر پر بھائی ویر سنگھ مع اپنی دھرم پتنی کے براجمان ہیں - رام رام شام ہونے کے بعد جب اُس کو بھائی صاحب کی سب حالت معلوم ہوئی - تو اُس نے ان کو ہر طرح ڈھارس بندھائی - اور کہا - "بھراتا جی نوکری چھُٹ گئی - تو بات ہی کیا ہے - اور نوکری کر لینا - اور اگر نوکری کہیں نہ بھی ملی - تو بھی کیا فکر ہے - پرماتما کا دیا سب کچھ ہے - اپنی زمین جوتو اور موج کرو" *

یہ محبت بھری اور تسلّی دلانے والی باتیں سُن کر ویر سنگھ کے کُچھ جان میں جان آئی - کیونکہ وہ سوچ رہا تھا - کہ مَیں تو اپنے حصے کی زمین کے دام لے ہی چکا ہوں - نہ جانے مُورکھ دھیرو میرے ساتھ کیسا برتاؤ کرے - اور مجھے دو چار دن تک ٹھیرنے بھی دے یا نہ" *

دھیر سنگھ کا یہ محبت بھرا برتاؤ دیکھ کر ویر سنگھ کی باچھیں کھِل گئیں - دل ہی دل میں کہنے لگا "چلو یہ بھی آسانی سے ہی نبٹ گئی - ہاتھ سے گئی ہُوئی زمین تو پھر مل رہیگی - روپیہ جو پہلے اینٹھ چکے سو رہا منفعی میں" *

شام کو جب کھانے پینے کا وقت آیا - تو غریب دھیر سنگھ کو اس نیکی کا یہ اجر ملا - کہ بھابی صاحبہ نے اپنے

२. इसलिए यह कहावत ऐसे अवसर पर प्रयुक्त होती है जहां किसी को स्वयं ही सारा कष्ट सहना पड़े।

پتی سے کہا - کہ مجھے تو تمہارے گنوار بھائی کو دیکھ کر نفرت آتی ہے - اِن سے کہو - باہر ہی روٹی کھا لیں - گھر میں آئے بغیر اُن کا کام ہی کیا رُکا ہے"

بھابی جی کا یہ نادر شاہی حکم سُن کر سادھو مزاج دھیر سنگھ نے کہا "چلو پیٹ ہی تو بھرنا ہے - باہر ہی روٹی کھا لیا کرینگے - اتنی سی بات پر بھائی بھاوج کو کیوں ناراض کیا"

غرض چند روز اسی طرح نبھاؤ کیا - لیکن جب دیکھا کہ بھابی جی کی تیز مزاجی اور بھائی صاحب کی نوابی کی بدولت غریب سُندری اور بوڑھے پتا رام سنگھ کو بھی پہلے جیسا سُکھ نہیں رہا - تو دھیر سنگھ نے اپنے پاس سے کچھ اور روپیہ - لکڑی اور اینٹ کی مدد دیکر اُن کے رہنے کے لئے الگ مکان بنوا دیا - برس چھ مہینے کے گزارے لائق اناج دیدیا - اور گھی دودھ کے لئے ایک دو گائے بھینسیں بھی نذر کیں - اور وہ میاں بیوی اپنے نئے مکان میں مزے سے رہنے لگے ۔

२९ जुलाई १९३०

(۷)

اسی اثناء میں دھن سنگھ والے ادھرم راج کے دوسرے کارکن نے دھن سنگھ کا کاروبار مٹی میں ملا اُسے قرضداروں کے خوف سے بھاگ جانے کے لئے مجبور کر دیا - دھن سنگھ مجبوراً قہر درویش بر جان درویش اپنے بال بچوں کو ساتھ لیکر اپنی نادانی پر پچھتاتا ہوا اور آنسو بہاتا گھر کی طرف روانہ ہوا - اور ادھر وہ کارکن بھی جو

... मित्र का कष्ट उनके ही प्राणों पर होता है ... [illegible] सहना पड़ता है ... [illegible]

اُس کی بربادی کے لئے مقرر ہُوا تھا۔ اب وہ بیر سنگھ کو برباد کرنے کے لئے اسی طرف روانہ ہُوا ؛

سب سے پہلے اس کے دِل میں اپنے ساتھیوں کی تلاش کا خیال پیدا ہُوا۔ اور وہ اُن کی تلاش میں سیدھا وہیر سنگھ کے کھیت کی طرف گیا۔ بہت تلاش کرنے پر اُس نے کھیت اور پتری کے رکھنے کی جگہ میں دو سوراخ دیکھ کر جان لیا۔ کہ میرے دونو ساتھی کام آ چکے۔ مگر یہ خیال دِل میں پیدا ہوتے ہی غصّہ اور انتقام کی آگ اس کے دِل میں نہایت زور سے بھڑکی۔ اور اُس نے کہا۔" خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے۔ مَیں وہیر سنگھ سے اپنے ساتھیوں کا بدلہ ضرور لُونگا۔ یا خود بھی اس کوشش میں اپنی جان گنواؤنگا" ؛

یہ سوچ کر وُہ وہیر سنگھ کی تلاش میں چلا۔ وہیر سنگھ اس وقت اپنے نئے گھر کے ایک کوٹھے میں کڑیاں ڈلوانے اور دروازہ وغیرہ چڑھانے کے لئے درخت کاٹ رہا تھا۔ یہ کارکُن ایک درخت کی ٹہنیوں اور شاخوں میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ اور وہیر سنگھ کے کام میں طرح طرح سے رُکاوٹیں ڈالنے لگا۔ مگر اپنی دُھن کا پکّا وہیر سنگھ ایسی باتوں سے کب ہار مانتا تھا۔ وہ رُکاوٹوں کو خیال میں نہ لاتا ہُوا اپنے کام میں جُٹا رہا۔ اور بالآخر شام کے قریب اسی درخت کے پاس بھی کلہاڑا لیکر پہنچ گیا۔ جہاں وہ ادھرم راج کا کارکُن چھپا بیٹھا تھا۔ اور پہلے اس کی ایک ایک شاخ پر کلہاڑا برسانے لگا۔ ادھرم راج کا کارکُن اس سے ڈر کر

ایک شاخ سے دُوسری پر اور دُوسری سے تیسری پر جانے لگا۔ آخر کوئی چارہ نہ دیکھ کر اُس درخت سے کُود کر بھاگا۔ دھیر سنگھ بھی اُسے کُودتے ہُوئے دیکھ کر اُوپر سے کُود کر اُس کے پیچھے بھاگا۔ اور بالآخر اُسے پکڑ کر کہنے لگا" ارے بدمعاش تُو پھر آ گیا"؟

کارکُن۔" (گھبرا کر) نہیں! نہیں!! مَیں تو پہلے کبھی نہیں آیا۔ پہلے دو تو میرے بھائی تھے۔ مَیں تو تیسرا ہُوں"۔

دھیر سنگھ۔" (مُسکرا کر) کوئی کیوں نہ ہو۔ میرے ہاتھ سے بچ کر نہیں جا سکتا"۔

کارکُن۔" (گڑگڑا کر) مَیں سب کُچھ کرنے کو تیار ہُوں۔ کرپا کر کے مجھے جان سے نہ ماریئے"۔

دھیر سنگھ۔" اچھا بتلاؤ! تم کیا کر سکتے ہو"؟

یہ سُن کر تیسرے کارکُن نے چند سُوکھے پتّے لیکر ان پر ایک منتر پڑھ کر پھُونک ماری۔ اور وہ سونے کے ہو گئے۔ اِس سونے کو دِکھلا کر وُہ کہنے لگا۔" کہ مَیں آپ کو اس طرح پتّوں کا سونا بنانا سِکھا دُونگا۔ مجھے چھوڑ دو"۔

دھیر سنگھ مان گیا۔ اور اُس کارکُن نے اُسے سونا بنانا سکھا دیا۔

زاں بعد دھیر سنگھ نے اُسے چھوڑ دیا۔ اور جب وہ جانے لگا۔ تو دھیر سنگھ بولا۔" اچھا جاؤ۔ پرماتما تمھیں بخشے"۔ پرماتما کا نام سُنتے ہی وہ کارکُن جہاں کھڑا تھا۔ وہاں ہی سما گیا۔ اور ایک سُوراخ سا باقی رہ گیا۔

३० जुलाई ४६ ई०

بارھویں کہانی

ادھرم پر فتح ۲

(۱)

ادھرم راج کے تیسرے کارکُن کو بھی جب اس طرح ٹھکانے لگا کر دھیر سنگھ گھر واپس آیا۔ تو اس نے دیکھا۔ کہ دھن سنگھ بھی اپنے بال بچّوں سمیت آیا ہُوا ہے۔ دھیر سنگھ نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ سب سے پیش آیا۔ اور دھن سنگھ کا سب حال سُن کر اُسے دلاسا دیا۔ کہ آرام سے یہاں رہو۔ زمین جوتو مزے اُڑاؤ۔ مگر دھن سنگھ اور اُس کی بہو نے بھی آخر دھیر سنگھ کے ساتھ ویر سنگھ کی نسبت کچھ اچھا سلوک نہ کیا۔ اور دھیر سنگھ کو مجبوراً چند ہی روز میں انہیں بھی علیحدہ کرنا پڑا۔ اُسی نے دھن سنگھ کو بھی ویر سنگھ کی طرح ایک الگ مکان بنا دیا۔ اور سال بھر کے گزارے کے لیئے غلہ۔ کپڑا اور گھی اور دُودھ کے لیئے گائے بھینس دیدی۔ اور آپ پھر اپنے پِتا اور بہن کے ساتھ الگ رہنے لگا۔

چند روز بعد ہولی آئی۔ ہولی کے موقع پر ہمیشہ دھیر سنگھ اپنے گاؤں والوں اور دیگر رشتہ داروں کو کھانا کھلا کر آنند منایا کرتا تھا۔ اِس سال بھی اُس نے ویسا ہی کیا۔ اپنے بھائیوں بھاوجوں اور بھتیجوں کو

بھی بلاوا بھیجا - مگر اُنہوں نے اپنے شہری پنے کے غرور
میں بھر کر جواب دیا - کہ "ہم گنوار نہیں جو گنواروں کی
دعوت میں شامل ہوں اور اُن کے بیہودہ پن میں حصّہ لیں"
دھیر سنگھ اپنے بھائیوں کے اس انسانیت سے
گرے ہوئے جواب سے کچھ بھی رنجیدہ نہ ہوا - بلکہ مسکرا
کر چپ ہو رہا ॥

ہولی کے مبارک روز جب سب مہمان کھا پی کر فارغ
ہو گئے - تو دھیر سنگھ بولا - کہو! آج ایک تماشہ دیکھو گے؟
سب نے جواب دیا "ضرور دیکھینگے" -
یہ سن کر دھیر سنگھ نے سوکھے پتّوں کا بھرا ہوا ایک
ٹوکرا منگایا - اور منتر پڑھ کر ان پتّوں کا سونا بنا دیا -
اور سب گاؤں کی عورتوں اور بچوں میں جو وہاں موجود
تھے - تقسیم کرکے کہا - "لو! اس سونے کے اپنے لئے گہنے
اور کھلونے بنوا نا" ॥

یہ اچنبھا دیکھ کر سب حیران رہ گئے - اس کے بعد
دھیر سنگھ نے گاؤں کی عورتوں سے کہا - کہ "اچھا اب
کچھ گاؤ"!
وہ اپنی ڈھولک لیکر مزے سے ہولی کے راگ گانے
لگیں - مگر یہ گانا دھیر سنگھ کے پسند نہ آیا - اور اس
نے سر ہلا کر کہا "واہ گاتی ہو یا روتی ہو - یہ بھی کوئی گانا ہے"
عورتیں "ہم تو ایسا ہی گانا جانتی ہیں - اس سے اچھا سننا
چاہو تو اپنی بھابیوں کو جو شہر کی رہنے والی ہیں - بلا لو" ॥
دھیر سنگھ "وہ کیا گائینگی - ہم تمہیں ابھی اور گانا

بجانا سنواتے ہیں"۔

یہ کہ کر دھیر سنگھ بھاگا بھاگا گیا۔ اور کوٹھے میں سے ایک چری کی پولی لے آیا۔ دیکھنے والے حیران تھے۔ کہ اس پولی کا یہ کیا کریگا۔ گانے بجانے سے چری کی پولی کا کیا تعلق؟ مگر اس نے پولی لاکر اور اُسے کھول کر زمین پر بچھا دیا۔ بعد ازاں منتر پڑھ کر اس پر پانی چھڑکا۔ تو وہ سب چری کے پُھرٹے فوج کے سپاہی بن گئے۔ اور دھیر سنگھ نے اُنہیں باجہ بجانے اور گانے کا حکم دیا۔ حکم کی دیر تھی۔ بینڈ بجنے لگا۔ اور سپاہیوں نے اُس کے ساتھ جنگی گیت گانے شروع کر دئے۔ تھوڑی دیر یہ رونق رکھ کر دھیر سنگھ نے پھر منتر پڑھ کر پانی چھڑک دیا پھر سب کے سب چری بن گئے۔ اور لوگ حیران رہ گئے۔

२ अगस्त ४६ ३०। (۲)

دھیر سنگھ کی ان عجیب و غریب باتوں کی خبر جب ویر سنگھ اور دھن سنگھ کو ملی۔ تو دونو بھاگے بھاگے اس کے پاس آئے۔ ویر سنگھ نے کہا۔ "بھائی دس پلٹنیں سپاہیوں کی مجھے بنا دو۔ ان سے تو ہم بڑا ملک فتح کرکے راجا بن سکتے ہیں"۔

بھولے دھیر سنگھ نے ویر سنگھ کی پہلی سب بدسلوکیوں کو بھلا کر اُسے چری سے بہت سے سپاہی بنا دئے۔ اور کہا "اب جاؤ! اِنہیں ابھی یہاں سے لے جاؤ۔ ورنہ یہ سارے گاؤں کا غلہ کھا جائینگے"۔ ویر سنگھ اُنہیں خوشی خوشی اپنے ساتھ لیکر اسی راجہ کے پاس پہنچا۔ جہاں وہ پہلے نوکر تھا

اور کچھ روپیہ کی رسد کی خاطر وہاں سے مدد لیکر - اُسی دُشمن پر جس سے وہ پہلے ہار کر بھاگا تھا - جا چڑھا - اس مرتبہ اس کو فتح حاصل ہُوئی - اور وہ خود وہاں کا راجہ بن بیٹھا
دھن سنگھ نے بھی دھیر سنگھ سے بہت سا سونا بنوا کر شہر کا راستہ لیا - اور از سرِ نو بنج بیوپار کرنا شروع کیا - وہ بھی خوب وارے نیارے کر کے ایک وسیع علاقہ خرید کر راجہ بن بیٹھا - مگر دھیر سنگھ یہ سب غیر معمولی طاقتیں رکھتا ہُوا بھی کورا کسان کا کسان ہی بنا رہا - اس کے دل میں کبھی خواب میں بھی یہ خیال نہ آیا - کہ وہ اپنی ان طاقتوں کو کس طرح اپنی دُنیاوی بھلائی کے لئے کام میں لا سکتا ہے - اس کا دستور وُہی صبح سے شام تک ہل جوتنا - کنوآں چلانا یا اور اسی قسم کے کسانی کام کرنا رہا ؛
اتفاق سے اس علاقے کے جس میں دھیر سنگھ رہتا تھا - راجہ کی اکلوتی راجکماری بیمار ہو گئی - راجہ نے ہر طرح اسکا علاج کرایا - مگر صحت نہ ہُوئی - لاچار اُس نے ڈھنڈورہ پٹوا دیا - کہ جو شخص راجکماری کو اچھا کریگا - اُسی کے ساتھ راجکماری کی شادی کر دی جائیگی - اور وُہی راج کا وارث ہوگا ؛

دھیر سنگھ کے پتا رام سنگھ نے ایک کُتّا پال رکھا تھا - جو کھیت کی رکھوالی - ڈھور ڈنگروں کی نگرانی - گھر کی چوکیداری وغیرہ میں ہر طرح سے مدد دیتا تھا - ایک روز وہ کُتّا بیمار ہو گیا - رام سنگھ جو اس کُتے سے بہت پیار کرتے لگا تھا - اس کی بیماری کے باعث سخت مغموم ہُوا - دھیر سنگھ

نے کھیت سے واپس آنے پر جب اپنے پتا کو اُداس دیکھ کر اس کا سبب معلوم کیا۔ تو کہنے لگا" اوہ! کیا بات ہے ابھی دم کے دم میں اسے اچھا کئے دیتا ہوں۔ میرے پاس ایسی بُوٹی ہے۔ جس سے سب روگ ایک دم میں دُور ہو جاتے ہیں"۔

چنانچہ اس نے فوراً دھرم راج کے پہلے کارکُن کی دی ہوئی بُوٹی تھوڑی سی گھوٹ پیس کر کُتے کو پلا دی۔ جس کے پیتے ہی کُتّا جو ابھی ابھی بیہوش پڑا تھا۔ کان جھاڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اور ہوشیار ہو کر کھانے پینے۔ دوڑنے اور کھیلنے لگا۔ یہ معجزہ دیکھ کر رام سنگھ حیران رہ گیا۔ اور بولا" اگر تمہارے پاس یہ بُوٹی اور ہو۔ تو راجہ کی کنیا کو اچھا کر کے اس کے ساتھ بیاہ کر لو۔ مفت میں راجہ بن جاؤ گے"۔

دھیر سنگھ" ہے تو سہی۔ مگر کون جھنجٹ میں پھنسے"۔

رام سنگھ" جھنجٹ کیا ہے۔ کسی بیچاری کی جان بچ جائیگی۔ اور ہمارے تمہارے دلدر دُور ہو جائینگے"۔

دھیر سنگھ" اچھا! اگر تمہاری ایسی مرضی ہے۔ تو یونہی سہی۔ کل اُسے بھی پلا آؤنگا"۔

اگلے روز دھیر سنگھ نہا دھو اور کپڑے بدلکر راجکماری کا علاج کرنے کی غرض سے راج محل کی طرف جانے کے لئے جونہی گھر سے نکلا۔ اُسے دروازے پر ایک کنگال بڑھیا ملی جو دمہ کی بیماری سے بدحال ہو رہی تھی۔ اسکا سانس اُکھڑ رہا تھا۔ اور وہ کھانستے کھانستے بے دم ہو کر گر پڑی تھی

دھیر سنگھ کو اُس پر بہت ترس آیا۔ دل میں سوچا ”راجکماری کا علاج کرنے کے لئے تو اور بھی سینکڑوں وید۔ حکیم پہنچ جائینگے۔ مگر اس بُڑھیا بیچاری کا کون علاج کریگا۔ اسے ایسی حالت میں چھوڑ کر راجکماری کے علاج کے لئے بھاگے جانا ٹھیک نہیں“۔

یہ خیال دل میں آتے ہی اُس نے وہ بُوٹی۔ جسے وہ بیس چھان کر راجکماری کو پلانے کے لئے لے چلا تھا۔ اس بڑھیا کو پلا دی۔ وہ بھلی چنگی ہو کر آشیرباد دیتی ہوئی اپنے گھر چلی گئی۔ اور دھیر سنگھ راستے ہی سے اپنے گھر لوٹ آیا۔

رام سنگھ نے پُوچھا ”کہو بیٹا! راجکماری کو اچھا کر آئے“؟

دھیر سنگھ۔ ”نہیں تو! راستے میں ایک غریب آفت کی ماری بڑھیا مل گئی تھی۔ جو بیماری سے سخت لاچار اور جینے سے نہایت بیزار تھی۔ میں نے اسے دوا پلا دی۔ اور وہ اچھی ہو گئی“۔

یہ سُن کر رام سنگھ نے ماتھے پر ہاتھ مارا اور اپنی قسمت کو بُرا بھلا کہنے لگا۔ دھیر سنگھ نے کہا ”راجکماری کا علاج کرنے تو راج کے لالچ سے ہزار پہنچ جائینگے۔ بُڑھیا بیچاری کا علاج کون کرتا“؟

رام سنگھ ”یہ تو ٹھیک ہے۔ مگر کسی اور کے علاج سے فائدہ ہُوا۔ تو ہمیں کیا۔ میں تو یہ چاہتا تھا۔ کہ تیرے علاج سے اُسے آرام ہو۔ اور تُو راجہ بن جائے“۔

دھیر سنگھ ”میں تو یہ جھگڑا مول لینا نہیں چاہتا۔ پر

تمہاری خاطر اس پتھر کو جس پر میں نے دوا پیسی تھی۔ دھو کر پھر جاتا ہوں۔ شاید تمہاری بھی یہ خواہش پوری ہو جائے"۔

یہ کہ کر دھیر سنگھ نے سِل باٹ خوب دھو کر اُس کا پانی شیشی میں بھر لیا۔ اور راج محل کی طرف چلا۔ وہاں جا کر اُس نے وہی پانی راجکماری کو جو بالکل دیوانی سی ہو رہی تھی۔ پلا دیا۔ اور اس کے پیتے ہی اُسے اپنے تن بدن کی ہوش آ گئی۔ راجہ نے خوش ہو کر دھیر سنگھ کے ساتھ اپنی لڑکی بیاہ دی۔ اُسے اپنا داماد بنا لیا۔ اور رام سنگھ کی مُراد بر آئی۔

४ जुलाई २८ ३०. अगस्त
इच्छा पूर्ण काम

کچھ عرصہ کے بعد ویر سنگھ اور دھن سنگھ پھر ملے۔ ویر سنگھ نے اپنی فوج وغیرہ کے ساز و سامان کے لئے سونے کی۔ اور دھن سنگھ نے اپنے مال و متاع کی حفاظت کے لئے فوج کی ضرورت ظاہر کی۔ بالآخر دونوں بھائیوں میں قرار پایا۔ کہ ویر سنگھ دھیر سنگھ سے کچھ سپاہی اَور بنوائے۔ اور دھن سنگھ کچھ سونا اَور حاصل کرے۔ اور پھر دونو آپس میں دونو چیزوں کا تبادلہ کر لیں۔ یعنی ویر سنگھ دھن سنگھ کو کچھ سپاہی دے کر اس سے سونا لے لے۔

सामान सामान सामान

آپس میں یہ مشورہ کرکے پہلے ویر سنگھ دھیر سنگھ کے پاس پہنچا۔ اور معمولی رام رام شام شام کے بعد اپنا حرفِ مطلب اس طرح زبان پر لایا۔ "بھائی میری فوج کے

آدمی کچھ کم ہو گئے ہیں۔ اِس لئے مہربانی کر کے مجھے کچھ اور سپاہی بنا دو *

دھیر سنگھ۔ "نہیں بھائی جی! اب میں سپاہی کبھی نہیں بناؤنگا میں پہلے ہی بنا کر پچھتا رہا ہوں" *

ویر سنگھ۔ "کیوں بھائی پچھتانے کی کیا بات ہے"؟

دھیر سنگھ۔ "میں نے سُنا ہے۔ کہ تمہارے سپاہیوں نے بہت لُوٹ مار کی ہے۔ ہزاروں آدمیوں کو مار ڈالا ہے۔ میں تو صرف یہ سمجھتا تھا۔ کہ سپاہی باجہ بجانے اور گانا سُنانے کے ہی کام آتے ہیں۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا۔ کہ وہ مار دھاڑ بھی کرتے ہیں؟ تو میں پہلے ہی اُن کے بنانے کا کبھی نام نہ لیتا۔ ابھی کل کی بات ہے۔ کہ ایک ارتھی میرے کھیت کے پاس سے گزر رہی تھی۔ جب میں نے پُوچھا۔ تو ایک استری نے رو کر جواب دیا۔ کہ تمہارے بھائی ویر سنگھ کے سپاہیوں نے میرے پتی کو مار دیا" *

ویر سنگھ۔ "سپاہی تو مرنے مارنے کو ہی ہوتے ہیں" *

دھیر سنگھ۔ "ہوتے ہونگے۔ میں ایسے سپاہی بنا کر اپنے سر ہتیا لینا نہیں چاہتا" *

یہ صاف جواب سُن کر ویر سنگھ اپنا سا مُنہ لیکر چلا گیا۔ تھوڑی سی دیر کے بعد دھن سنگھ نے پہنچ کر رام رام کی *

دھیر سنگھ۔ "آؤ بھائی! رام رام۔ سب خیریت ہے"؟

دھن سنگھ۔ "پرماتما کی کرپا ہے۔ تم تو اچھی طرح ہو"؟

دھیر سنگھ۔ "آپ کی آشیرباد[۲] سے۔ کہو کیسے آنا ہُوا"؟

دھن سنگھ۔ "ویسے ہی ایک ضرورت سے چلا آیا" *

۵ عنایت * [۲] دعاے خیر *

دھیر سنگھ۔ "کہو تو کیا ضرورت ہے"؟
دھن سنگھ۔ "بس کرپا کرکے تھوڑا سا سونا اور بنا دو"!
دھیر سنگھ۔ "بھائی جی! یہ بات نہ ہوگی۔ میں تو پہلے ہی آپ کے لئے سونا بنا کر پچھتا رہا ہوں"*
دھن سنگھ۔ "وہ کیوں"؟
دھیر سنگھ۔ "میں تو سمجھا تھا۔ کہ سونا صرف بال بچوں کے گہنے زیور۔ کھیل کھلونے۔ برتن بھانڈے بنانے کے ہی کام آسکتا ہے مگر اس سے تو آپ نے بڑا ظلم کیا ہے"*
دھن سنگھ۔ "(حیران ہوکر) وہ کیا"؟
دھیر سنگھ۔ "یہ کہ آپ کے سونے نے موہن کے بچوں سے اُن کی گائے چھین لی"*
دھن سنگھ۔ "موہن سے تو گائے میں نے مول لی ہے"*
دھیر سنگھ۔ "مول تول تو میں جانتا نہیں۔ کل جب میں موہن کے گھر کی طرف سے جا رہا تھا۔ تو میں نے اُس کے بچوں کو دودھ لسّی کے لئے روتا دیکھا۔ میں نے اُن کی ماں سے پوچھا کہ انہیں کیوں رُلا رکھا ہے۔ دُودھ لسّی کیوں نہیں دیتی؟ وہ بیچاری کہنے لگی۔ دُودھ لسّی کہاں سے دُوں۔ گائے تو دھن سنگھ دو سونے کے ٹکڑے دیکر لے گیا۔ مجھے ان بیچاروں پر بہت ترس آیا۔ اور میں نے اپنی ایک بھینس اُن کی دُودھ لسّی کے لئے بھیج دی۔ مجھے کیا معلوم تھا۔ کہ تم مجھ سے سونا لے جا کر ایسا ظلم کرو گے"*
دھن سنگھ۔ "اس میں کیا ظلم ہے۔ دُنیا کا سب کام دھندا اسی طرح چل رہا ہے"*

دھیر سنگھ" چلتا ہوگا۔ میں تو اِسے ظلم ہی سمجھتا ہوں۔ اور اِس لیئے اب سونا بنانے کے لیئے تیار نہیں" ٭

لاچار دھن سنگھ بھی مایوس ہو کر چلا گیا۔ اور آخر دونو بھائیوں نے آپس میں ہی سپاہیوں اور سونے کا تبادلہ کر لیا اور اپنی اپنی ریاست کے کام کاج میں مصروف ہوئے ٭

(۴)

ویر سنگھ جنم سے ویر تھا۔ اُسے ہمیشہ ویرتا کی ہی سوجھتی تھی۔ جب دھیر سنگھ نے اَور سپاہی بنانے سے انکار کر دیا۔ اور موجودہ سپاہیوں میں سے کچھ سپاہی دھن سنگھ نے سونے کے بدلے لے لیئے۔ تو ویر سنگھ کی فوج میں سپاہیوں کی کمی ہو جانے کی وجہ سے اُسے چاروں طرف سے دشمنوں کا کھٹکا پیدا ہو گیا۔ جس کا علاج سوچتے سوچتے آخر اس کی سمجھ میں یہ آیا۔ کہ تمام رعایا کو ہی سپاہی بنا لیا جائے۔ آخر اُس نے حکم جاری کر دیا۔ کہ دس برس سے زیادہ عمر کے سب لڑکے فوجی قواعد سیکھیں اور نشانہ بازی کی مشق کیا کریں۔ نیز ہر گھر میں سے ایک آدمی پانچ سال کے لیئے باقاعدہ فوج میں بھرتی رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ اس کی فوجی طاقت خوب بڑھ گئی۔ اور اِرد گرد کی سب ریاستیں اُس کے خوف سے کانپنے لگیں ٭

دھن سنگھ نہایت دُور اندیش تاجر تھا۔ اس نے روپیہ کمانے کے لیئے اپنی پرجا کو گائے بھینس۔ گھوڑے بیل پالنے۔ جوتے موزے۔ کپڑے۔ گاڑی۔ بگھی اور دیگر طرح طرح کی چیزیں بنانے اور بیچنے کی ترکیب سکھلائی۔ اور اس طرح اپنی ریاست میں صنعت و حرفت اور سوداگری و تجارت کو خوب چمکایا۔ نیز ان تیار شدہ چیزوں پر

لے بہادر ٭ ٹے بہادری ٭

محصول وصول کرکے اپنے خزانے کو خوب بھرا۔ چوری۔ چکاری۔ لوٹ مار روکنے اور دھن دولت کے متعلق جھگڑے نبٹانے کے لیئے خوب قانون بنائے۔ غرضیکہ دھن سنگھ کے راج میں جدھر دیکھو لکھشمی کا پرکاش دکھائی دینے لگا۔ اور روپے کے بھونکے اس ریاست کی طرف کھچ کر آنے اور دھن سنگھ کی جے منانے لگے*

رہا دھیر سنگھ۔ سو پہلے چند روز تو اس نے گھڑی دو گھڑی کے لیئے دربار میں جا کر راج کاج کی معمولی دیکھ بھال کی۔ لیکن آخر اس کام سے اس کا جی گھبرا گیا۔ اور اس نے سوچا کہ "یہ اچھا راج ہے۔ کہ اپاہج بنے گھر بیٹھے رہو۔ پانی تک بھی آپ اٹھ کر نہ پیو۔ نہ بھوک ہی لگے۔ کہ پیٹ بھر کر کھانا کھایا جائے۔ اور نہ نیند ہی آئے۔ کہ خوب مزے سے رات کو سویا جائے"*

یہ خیال دل میں آتے ہی اس نے سب ہیرے اور جواہرات جڑی پوشاکوں کو صندوقوں میں بند کرا دیا۔ اور اپنے پہلے جیسے موٹے جھوٹے کپڑے پہن - سندر۔ سڈول بیلوں کی ایک جوڑی منگا کر ایک۔ خوب صورت ہل ان کے کندھے پر رکھا۔ اور شہر کے باہر ایک کھیت میں جا کر اسے جوتنا شروع کیا۔ امیروں وزیروں نے یہ حالت دیکھ کر تعجب کیا۔ اور پاس جا کر کہا کہ "سری مہاراج! آپ تو راجہ ہیں۔ یہ کام آپ کی شان کے شایاں نہیں"*

دھیر سنگھ۔ "شایاں نہیں تو میں کیا کروں؟ بیمار پڑ کر مر جاؤں؟ مجھے تو کام کے بغیر نہ بھوک لگتی ہے نہ نیند ہی آتی ہے"*

دوسرا وزیر۔ "مہاراج! خزانہ خالی ہے۔ نوکروں کو تنخواہ کہاں سے دی جائیگی"؟

دھیر سنگھ۔ "کچھ پرواہ نہیں۔ سب کو برخاست کر دو"!

وزیر ”تو کام کیسے چلیگا؟“

دھیر سنگھ ”اچھی طرح چلیگا۔ سب اپنا کام آپ کریں گے نوکروں کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ہر آدمی اپنا کام آپ کر سکتا ہے“۔

ایک شخص نے آکر شکایت کی۔ کہ ”مہاراج! میرا روپیہ کوئی چرا لے گیا“۔

راجہ ”تو کیا ڈر ہوا۔ اُسے ضرورت تھی۔ تمہارے پاس فالتو پڑا تھا“۔

یہ باتیں سُن کر سب سمجھ گئے۔ کہ راجہ مہا مُورکھ[1] ہے۔ مگر کیا کرتے۔ بھارت میں بغاوت کا مادہ ہی نہ تھا۔ جو یہ بات کسی کے دھیان میں آتی۔ ایک روز دھیر سنگھ کی پتنی[2] پٹرانی نے کہا ”پران ناتھ[3]! سب آپ کو مُورکھ کہتے ہیں“

دھیر سنگھ ”تو ڈر ہی کیا ہے۔ کسی کے مُورکھ کہنے سے نہ ہم مُورکھ ہی بن سکتے ہیں۔ اور نہ بُدھی مان[4] بتلانے سے ہمیں بُدھی ہی آسکتی ہے۔ ہم تو جو ہیں سو ہی ہیں“۔

یہ سُن کر رانی چُپ ہو گئی۔ راجہ کو کھیتی کیاری میں لگا ہُوا دیکھ کر وزیر۔ امیر۔ اہلکار۔ پیادے اور دیگر سب رعایا بھی کھیتی کیاری میں لگ گئی۔ سب اپنے ضروری کام آپ سرانجام دینے لگے۔ آپ کھانے اور دُوسروں کو کھلانے میں خوشی محسوس کرنے لگے۔ نہ کوئی محصُول تھا نہ ٹیکس۔ نہ چوکی نہ پہرہ۔ نہ چونگی نہ لگان۔ نہ سوداگری نہ تجارت۔ سب اپنا کام چلا کر اپنے بچے ہُوئے مال سے دُوسروں کو مدد دیتے اور آرام و آسائش سے زندگی بسر کرتے تھے۔

[1] سخت بیوقوف۔ [2] اپنے خاوند کی خدمت گزاری کا عہد پالنے والی۔ [3] جان کے مالک۔
[4] عقلمند۔

१. हशर = प्रलय; अन्तिम परिणाम ३. जाँबाज़ = जान पर खेलने वाले
२. मलऊन = लानत किए हुए = धिक्कृत ४. क़दरशनास = गुणग्राहक
५. जलीलुलक़दर = उच्च पदाधिकारी ५. प्रशंसनीय है

ادھرم راج کو اپنے کارکنوں کا انتظار کرتے کرتے کئی برس گزر گئے۔ تو آپ نے اُن کی خیر خبر معلوم کرنے کے لئے اور کئی شخص روانہ کئے۔ مگر سب لاچار تھک تھکا کر چلے آئے۔ اور کسی کو اُن کا پتہ نہ لگا۔ بالآخر ادھرم راج خود ہی اُن کی تلاش میں نکلے۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے ایک روز دھیر سنگھ کے کھیت کی طرف جا نکلے۔ تو وہاں زمین میں سوراخ دیکھ کر سمجھ گئے۔ کہ ایک کارکُن تو یہاں کام آیا۔ جان گئے۔ کہ باقی دو کا بھی یہی حشر ہُوا ہوگا۔ اس لئے اُن کی بھی تلاش کی۔ تو دوسرے کا سوراخ کھلیان میں اور تیسرے کا جنگل میں نظر آیا۔ نہایت غصّے میں بھر کر کہا۔ کہ جن ملعونوں نے میرے کارکنوں کو جان سے مارا ہے۔ میں بھی ان کا ستیاناس کرکے دم لونگا۔ چنانچہ آپ تینوں بھائیوں کی کھوج میں چلے۔ تو دیکھا۔ کہ تینوں راجہ بنے بیٹھے ہیں۔ بس پھر کیا تھا۔ فوراً اُن کا ملیا میٹ کرنے کی ٹھان لی ✦

سب سے پہلے آپ ایک فوجی کرنیل کا بھیس بھر کر ویر سنگھ کے پاس پہنچے۔ اور ہاتھ جوڑ کر پرنام کرنے کے بعد بولے" مہاراج! میں نے سُنا ہے۔ کہ آپ جانباز بہادروں کے قدرشناس ہیں۔ مجھے بھی اگر خدمتگزاری کا موقع دیا جائے تو زہے قسمت"

ویر سنگھ نے اس تجربہ کار اور ہوشیار سپاہی کو دیکھتے ہی اس کی قدر و قیمت کا اندازہ لگا لیا۔ اور اسے اپنا جلیل القدر فوجی مصاحب بنا لیا۔ اس نئے مصاحب نے

X. जलील = बड़ी, क़दर = प्रतिष्ठा. गुण ग्राहक

ویر سنگھ کو مشورہ دیا - کہ " رعایا کے سب آدمیوں کو رنگروٹ
بھرتی کر لیا جائے - اور جگہ بہ جگہ توپوں بندوقوں کے کارخانے
قائم کیئے جائیں - اُس نے بتلایا - کہ مَیں ایک سَو فائر کی
توپیں تیار کرا سکتا ہوں - جو پُلوں اور قلعوں کو آن کی
آن میں برباد کر سکتی ہیں" *

وہاں صرف اشارے کی دیر تھی - ویر سنگھ نے حکم
احکام جاری کیئے - اور چند مہینے میں ہی پہلے سے دس گنی
فوج تیار ہو گئی - جن کے بل سے ویر سنگھ نے گرد
نواح کے چند راجاؤں کو فتح کر کے ان کے علاقے کو اپنے
راج میں شامل کر لیا *

ویر سنگھ کی ریاست ویر پور کی جنگی طاقت اس طرح
بڑھتی دیکھ کر رنجیت پور کے دُور اندیش راجہ رنجیت سنگھ
نے بھی اپنی فوج کی طرف دھیان دیا - بلکہ پوشیدہ طور
پر ادھرم راج نے ہی اپنے خاص کارکُن بھیج کر اس
ریاست کی فوجی طاقت کو ویر سنگھ کی طاقت سے بھی
زبردست کرا دیا - مرد چھوڑ عورتوں کو بھی فوج میں
بھرتی کرا دیا - رنجیت پور میں بھاری بھاری قلعہ شکن
اور دُور کی مار کرنے والی توپوں کے علاوہ ہوائی
جہاز اور آسمان سے پھینکے جانے والے بم کے گولے
ایسے تیار کرائے - کہ جن کے زمین پر گر کر پھٹنے سے
ہی ہزاروں جانداروں کا صفایا ہو سکتا تھا *

جب سب سامان ٹھیک ہو گیا - تو اس بناوٹی
کرنیل نے ویر سنگھ کو اُبھار کر رنجیت پور پر چڑھائی

१ जहाज़रां = जहाज़ चलाने वाली २ ताक्कुब = अनुधावन - पीछा करना
२ मिज़ाजपुरसी = कुशलप्रश्न

کرا دی - ادھر راجہ رنجیت سنگھ بھی ویر سنگھ کی طرح خاطر تواضع کے لئے تیار تھا - اس نے ویر پوز سے لشکر کی روانگی کی خبر پاتے ہی اپنی فوج کا کوچ بول دیا - اور اس کی مزاج پرسی کے لئے اپنی ہوائی جہاز رانی زنانہ پلٹن کو نئے تیار شدہ بم کے گولوں سے لیس کر کے روانہ کیا - جنہوں نے ویر سنگھ کو اپنی ریاست کی حد پر ہی جا گھیرا - اور آسمان سے بم برسا برسا کر تباہ کر دیا ÷

اتنے ہی میں ویر سنگھ کی بھاگتی ہوئی فوج کا تعاقب کرنے کے لئے رنجیت سنگھ کی تازہ دم فوج آ پہنچی - اور رہی سہی کسر اس نے نکال دی - غرضیکہ راجہ ویر سنگھ راجہ رنجیت سنگھ کے قیدی ہو گئے - اور اُن کی سب ریاست رنجیت پور کی ماتحتی میں آ گئی ÷ अगस्त सन् ९९ ३०६ ई।।

(۶)

ویر سنگھ کو خاک میں ملا کر ادھرم راج دھن سنگھ کی طرف متوجہ ہوا - اور لال سوداگر کا سوانگ بنا کر اس راج کی سرحد پر کوٹھی کھول دی اور ہر طرح کا مال جمع کر کے ملک سے باہر بھیجنے لگا - اناج - کپاس - سن - گھی - تیل - غرضیکہ ہر چیز کی اُس نے زیادہ سے زیادہ تعداد میں خریداری کر کے سب کا بھاؤ چڑھا دیا - جس سے ریاست کے غریب غربا میں دن بہ دن بے اطمینانی اور بےچینی بڑھ کر

لوٹ مار - چوری ڈکیتی شروع ہو گئی - دھن سنگھ نے اپنی ریاست کے مزدوروں کو مزدوری بہم پہنچانے کے لیئے ایک محل تعمیر کرانا شروع کیا - مگر اس کے ساتھ ہی لال سوداگر بنے ہوئے ادھرم راج نے پاس کی ایک ریاست کی حد میں ایک بڑا تالاب کھدوانا شروع کر دیا - اور مزدوروں کو بہت مزدوری دینے لگا - جس سے سب دھن پور کی ریاست چھوڑ کر اس ریاست میں مزدوری کرنے چلے گئے - اور دھن سنگھ کا محل ادھورا ہی رہ گیا ؂

سردی کا موسم شروع ہوتے ہی لال سوداگر نے دھن پور کے علاقہ کی تمام روئی اور اون خرید کر غیر ریاستوں میں بھیج دی - نتیجہ یہ ہوا - کہ ضرورت کے وقت راجہ دھن سنگھ اور اس کی رعیت کو ضروریات کے لیئے بھی روئی اور اناج میسر نہ آیا - اور سینکڑوں ہزاروں سردی میں اینٹھ اینٹھ کر مر گئے - نیز بہت سے ریاست چھوڑ کر بھاگ گئے ؂

غلہ کی فصل تیار ہونے سے پہلے ہی لال سوداگر بنے ہوئے ادھرم راج نے کئی سال کے لیئے سب کی فصل خرید لی تھی - جس سے دھن پور میں قحط پڑ گیا - یہاں تک کہ دھن دولت سے خزانہ بھرپور ہوتے ہوئے بھی دھن سنگھ کو چاروں طرف سے غلہ میسر نہ ہو سکا - اور اس کی تمام رعایا اپنا اپنا دھن دولت چھوڑ چھاڑ کر گرد و نواح کی ریاستوں میں جہاں غلہ

کپڑا آسانی سے میسّر آ سکتا تھا - بھاگ گئی - اور دھن سنگھ کی ریاست دھن پور برباد ہو جانے پر اسے بھی کہیں اور بھاگ کر اپنی جان بچانے کی ضرورت لاحق ہوئی - اور خالی علاقے پر ارد گرد کی ریاستوں نے قبضہ کر لیا ؛

(۷)

اب ویر پور اور دھن پور کو برباد کرکے اور ویر سنگھ اور دھن سنگھ سے اپنا بدلہ لیکر ادھرم راج دھیر سنگھ کی کسانی ریاست دھیر پور کی طرف متوجّہ ہُوا - جہاں نہ فوج تھی نہ پلٹن - نہ کچھ بیوپار ہی تھا نہ تجارت ؛

پہلے تو ادھرم راج نے دھیر سنگھ پر بھی وُہی جادُو چلانا چاہا - جو اس نے ویر سنگھ پر چلایا تھا - یعنی فوجی یودھا کا رُوپ بھر کر دھیر سنگھ کے دربار میں آیا - اور کہنے لگا - کہ مہاراج ! راج کی حفاظت کیلئے فوج کی سخت ضرورت ہوتی ہے - لیکن آپ کے پاس کسی طرح کی فوج کا نام نشان تک نہیں - مجھے حکم ہو - تو مَیں پیدل - رسالہ - توپ خانہ - غرضیکہ سب طرح کی پلٹنیں سجا دُوں ؛

دھیر سنگھ یہ سُن کر مُسکرایا - اور بولا "ضرورت تو کچھ معلوم نہیں ہوتی - لیکن اگر تمہاری یہی مرضی ہے - تو سجا دو ؛ مگر صرف انہیں باجہ بجانا سکھلانا - مجھے یہی اچھا لگتا ہے ؛ اور کچھ سکھانے کی ضرورت نہیں" ؛

راجہ سے یہ حکم لیکر ادھرم راج رعایا کے لوگوں کے پاس گیا۔ اور اُن سے کہنے لگا۔ کہ "تم پلٹن میں بھرتی ہو کر سپاہی بن جاؤ۔ تمہیں کپڑا اور روپیہ ملیگا"۔

لوگوں نے جواب دیا۔ کہ ہمارے پاس رُوئی اور اناج بہت ہے۔ ہم سپاہی بن کر اور تمہارا روپیہ اور کپڑا لیکر کیا کرینگے۔ جاؤ! اپنا کام کرو۔ ہم پیدل سوار کچھ نہیں بنتے"۔

ادھرم راج نے آکر دھیر سنگھ سے کہا۔ کہ تمہاری رعایا کے آدمی بڑے بیوقوف ہیں۔ وہ بغیر سرکاری حکم کے بھرتی نہ ہونگے۔ یہ حکم جاری کردو۔ کہ جو سپاہی بننے سے اِنکار کریگا۔ اُسے پھانسی دیدیا جائیگا۔

دھیر سنگھ نے ایسا ہی حکم دیدیا۔ جب ادھرم راج نے لوگوں کو یہ حکم سُنایا۔ تو وہ بولے۔ "تم کہتے ہو۔ کہ سپاہی نہ بھرتی ہونے پر ہم مار دئے جائینگے۔ مگر ہم نے سُنا ہے۔ کہ سپاہی بھی تو لڑائی میں مارے ہی جاتے ہیں"۔

ادھرم راج۔ "ہاں ہوتا تو ایسا ہی ہے"۔

لوگ۔ "تو پھر ہم لڑائی میں جا کر کیوں مارے جائیں۔ اپنے گھر پر ہی کیوں نہ مر جائیں"۔

کئی آدمی یہ حکم سُن کر حیران ہُوئے۔ اور دھیر سنگھ کے پاس جا کر کہنے لگے۔ کہ "مہاراج! کیا یہ بات سچ ہے۔ کہ اگر ہم سپاہی نہ بینگے۔ تو آپ ہمیں پھانسی دیدینگے"؟

یہ سُن کر دھیر سنگھ ہنسا۔ اور کہنے لگا" بھلا یہ تو سوچو! میں اکیلا تم ہزاروں لاکھوں آدمیوں کو سپاہی نہ بننے پر کیسے پھانسی دے سکتا ہوں"+

لوگ۔" تو پھر ہم سپاہی نہ بنیں"+

دھیر سنگھ۔" تمہاری مرضی ہے۔ چاہے بنو۔ چاہے نہ بنو"+

یہ جواب سُن کر سب لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ اور سب نے سپاہی بننے سے جواب دیدیا۔ ادھرم راج اپنی یہ چال چلتی نہ دیکھ کر سخت مایوس ہوا۔ مگر اُس نے ہمت پھر بھی نہ ہاری۔ اور پاس کی ایک اور ریاست رتن پور کے راجہ رتن سنگھ کے پاس جا کر کہنے لگا۔ کہ دھیر پور کی ریاست میں اناج اور مویشی کثرت سے ہیں۔ اس پر چڑھائی کر ڈالو۔ وہاں فوج اور پلٹن کچھ بھی نہیں۔ آسانی سے سب ملک قابو میں آ جائیگا۔ راجہ رتن سنگھ نے یہ بات مان کر دھیر پور کی طرف چڑھائی بول دی ۔ سرحد پر آکر دُشمن کا بھید لینے کے لئے فوج کا ایک دستہ بھیجا۔ وہاں بھید کی بات ہی کچھ نہ تھی۔ یہ دستہ جب گاؤں میں گیا۔ وہاں کے ہی باشندوں نے نہایت محبت اور عقیدت سے اس کا خیر مقدم کیا۔ اور اُن سپاہیوں سے کہا۔ کہ" اگر تمہیں اپنے راج میں کچھ تکلیف ہو۔ تو ہمارے یہاں آ جاؤ۔ مزے سے زمین جوتو اور موج اُڑاؤ"+

جاسوس دستے کے چند آدمیوں نے کئی روز گھوم پھر کر راجہ رتن سنگھ کو رپورٹ دی۔ کہ" دُشمن کے پاس لڑائی

फ़ारिगुलबाली = निश्चिंतता १. धन से किया हुआ संतोष
फ़ितना = उपद्रव २. जंगजू = युद्धप्रिय, युद्धकारि. फ़ितना = उपद्रव

کے لئے فوج اور پلٹن تو کچھ بھی نہیں - مگر رعایا کے سب لوگ نہایت خوش ہیں - اور سب کے ساتھ نہایت مہمان نوازی سے پیش آتے ہیں - چنانچہ وہاں کی فارغ البالی دیکھ کر ہماری فوج کے بھی بہت سے سپاہی وہیں آباد ہو گئے ہیں - اُن سے ہم کس طرح لڑ سکتے ہیں" *

راجہ نے کہا - "کچھ پرواہ نہیں - سب کے گھروں کو لوٹ لو - گاؤں میں آگ لگا دو - مویشیوں کو مار ڈالو - اگر وہ نہیں لڑتے - تو تم انہیں لڑنے پر مجبور کرو" *

یہ حکم پا کر چند پلٹنیں روانہ ہوئیں - مگر جس گاؤں میں لوٹ مار کی نیت سے پہنچیں - وہاں کے آدمیوں نے اُن کی پریم سے آؤ بھگت کر کے اُن کے فتنہ و فساد کی آگ پر پانی ڈال دیا - اور کہا - کہ جو کچھ تمہیں چاہیئے - شوق سے لے جاؤ - مگر پرماتما کی دی ہوئی مفید چیزوں کو فضول برباد نہ کرو - اس سے کسی کو کچھ حاصل نہ ہوگا" *

اُن کے اس پریم بھاؤ کا جنگجو سپاہیوں پر یہ اثر ہوا - کہ سب اپنے وحشی مزاج راجہ کو چھوڑ کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے - بلکہ بہت سے دھیر سنگھ کی ریاست میں ہی آباد ہو گئے - غرضیکہ ادھرم راج کی یہ چال بھی اُلٹی ہی پڑی - اور اُس کا مطلب سِدّھ نہ ہوا *

(۸)

اپنی اس کوشش میں بھی ناکامیابی اُٹھا کر ادھرم راج نے سوچا - کہ "اس مورکھ راجہ نے بڑا دکھی کیا - عقلمندوں کو

جال میں پھنسا لینا تو آسان تھا۔ مگر اِس مُورکھ سے کیسے نبٹا جائے۔ اچھا اب جنٹلمین بن کر اسے خاک میں ملانا چاہیئے"۔

یہ سوچ کر جنٹلمین کا بہروپ بھر۔ کوٹ پتلون پہن۔ کالر نکٹائی لگا۔ چشمہ چڑھا۔ سیگرٹ مُنہ میں دبا۔ وجیر سنگھ کے پاس پہنچا۔ اور بولا "مہاراج! بیوپار کرنے سے انسان عقلمند اور دُور اندیش بنتا ہے۔ میرا ارادہ ہے۔ کہ آپ کی ریاست میں بیوپار اور تجارت کو پھیلاؤں"۔

وجیر سنگھ "بہت اچھا! جیسی آپ کی مرضی ہو کیجئے۔ ہماری طرف سے آپ کو ہر طرح اجازت ہے"۔

اگلے روز ادھرم راج اشرفیوں کی تھیلی کھول کر چوراہے پر بیٹھ گیا۔ اور آنے جانے والوں کو دکھلا دکھلا کر کہنے لگا۔ کہ "جو کوئی میرا کام کریگا۔ اُسے یہ دُونگا۔ بہت سے آدمیوں نے تو اس کی بات پر دھیان ہی نہ دیا۔ اور یہ کہہ کر چلے گئے۔ کہ ہم ان پیلے پیلے ٹکڑوں کو کیا کرینگے۔ جو سونے کی رنگت پر للچائے بھی وُہ بھی دو چار روز کام کرکے بھاگ گئے۔ یہاں تک کہ چند روز بعد اُسے ان اشرفیوں کے عوض میں آٹا دال ملنا بھی بند ہو گیا۔ ایک روز اُسے خود ایک کسان کے گھر جا کر اشرفی کے بدلے آٹا دال مانگنے کی ضرورت محسوس ہُوئی۔ مگر کسان نے کہا "میں اِس پیلے پیلے ٹکڑے کو کیا کرونگا پرماتما کے نام پر مانگو۔ تو ویسے ہی جتنا چاہو۔ لے جاؤ"۔

پرماتما کا نام سُنتے ہی ادھرم راج کا روم روم کانپنے

لگا۔ اور بھاگ گیا۔ مگر جہاں جاکر اُس نے سوال کیا وہاں سے یہی جواب ملا۔ جنٹلمین صاحب بھوکے اِدھر اُدھر پھرنے لگے۔ راجہ دھیر سنگھ کو اس کے اس طرح بھوکے مارے مارے پھرنے کی خبر لگی۔ تو اُس نے اُسے بُلا کر یہ حکم دیا۔ کہ ہر روز وہ باری باری سے ایک ایک کے گھر جاکر بھوجن کرے۔ اور اس لئے پہلے پہل اُسے بھوجن پانے کے لئے راج محلّوں میں بھیجا گیا۔ جہاں دھیر سنگھ کی گونگی بہن سندری اور اُس کی رانی موہنی نے یہ قاعدہ بنا رکھا تھا۔ کہ جن آدمیوں کے ہاتھ کام کاج کرنے سے سخت نہ ہوں۔ انہیں نکما اور کاہل سمجھا جائے۔ اور انہیں محنتی اور مشقتی آدمیوں کا جھوٹا کھانا دیا جائے۔ جب جنٹلمین صاحب رسوئی[1] میں کھانا کھانے گئے۔ تو اُن کے نرم و نازک ہاتھوں کو دیکھ کر گونگی سندری نے شور مچانا شروع کیا۔ اور اُس کی بھاوج نے آکر انکساری سے جنٹلمین صاحب سے کہا "مہاراج! چونکہ آپ کے ہاتھ آپ کو کوئی محنتی اور جفاکش انسان ظاہر نہیں کرتے۔ اس لئے آپ کو رسوئی سے باہر محنتی آدمیوں کی تھالیوں کا بچا ہُوا بھوجن ملیگا۔ اس پر جنٹلمین صاحب بہت بگڑے بھوکے ہی چلے آئے۔ اور غصے میں بھر کر دھیر دربار میں سنگھ سے بولے "مہاراج! آپ کے یہاں عجب اندھیر ہے۔ کہ ہاتھوں سے کام نہ کرنے والے مہمانوں کو رسوئی سے باہر جھوٹا بھوجن ملتا ہے"۔

دھیر سنگھ "قاعدہ تو یہی ہے۔ تم ہی بتاؤ۔ کہ جو کچھ کام

[1] باورچی خانہ۔

نہ کرے۔ وہ اچھا بھوجن کیوں پائے"؟
ادھرم راج "تو کام کیا صرف ہاتھوں سے ہی ہوتا ہے"؟
دھیر سنگھ۔ "ہم تو یہی سمجھتے ہیں۔ اور ایسا ہی دُنیا کو کرتے ہُوئے دیکھتے آئے ہیں"۔
ادھرم راج۔ "تبھی تو آپ بیوقوف ہیں۔ میں آپ کو دماغ سے کام کرنا بتلاؤنگا۔ دماغ سے کام کرنا ہاتھوں سے کام کرنے کی نسبت بہت زیادہ مفید ہے"۔
دھیر سنگھ "اوہو! اگر یہ سچ ہے۔ تو ہم در اصل بیوقوف ہیں"
ادھرم راج "ہو ہی! اس میں شک ہی کیا ہے۔ لیکن دماغ سے کام کرنا بہت مشکل ہے۔ اور کبھی کبھی دماغ سے بہت کام لینے سے دماغ پھٹ بھی جاتا ہے"۔
دھیر سنگھ "تو پھر دماغ سے کام کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اس سے تو ہاتھوں ہی سے کام لینا ٹھیک ہے۔ دوست آپ بھی ایسی تکلیف کیوں اُٹھاتے ہیں۔ اپنے ہاتھوں سے ہی کام لیں"۔
ادھرم راج "میں آپ کا ساری عمر بیوقوف رہنا پسند نہیں کرتا۔ اس لئے آپ کو ضرور دماغ سے کام کرنا سکھلاؤنگا"۔
دھیر سنگھ "اچھا سکھلائیے! جب کام کرتے کرتے ہمارے ہاتھ تھک جائینگے۔ تو ہم دماغ سے کام کرنے لگا کرینگے"۔ ١٤ अगस्त १९३०

(۹)

اگلے روز دھیر سنگھ نے ڈھنڈورہ پٹوا دیا۔ کہ ایک مہاتما دماغ سے کام کرنے کا طریقہ سکھلائینگے۔ سب اُن کا اُپدیش سُن کر فائدہ اُٹھائیں۔ اور جنٹلمین ادھرم راج کے

لئے کھڑے ہو کر دماغ سے کام کرنے کا طریقہ بتانے کی غرض سے ایک بڑے میدان کے بیچ مرکز میں ایک اونچا چبوترہ بنوادیا۔ تا کہ سب اُسے دیکھ اور اس کی بات کو سُن سکیں ۔

وقت مقررہ پر اُس میدان میں مردوں اور عورتوں کی بھیڑ لگ گئی۔ اودھم راج بھی پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے آ پہنچے۔ اور چبوترے پر چڑھ کر ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر اور مُنہ بنا بنا کر اُپدیش کرنے لگے۔ کہ دماغ سے کس طرح کام لیا جا سکتا ہے؟ اور کس طرح ہاتھ پاؤں سے کام کئے بغیر پیٹ بھرا جاتا ہے؟ مگر وہ بھیڑ کے سادہ لوح لوگ یہ امید کر رہے تھے۔ کہ جس طرح وہ ہاتھوں سے کام کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ مہاتما انہیں دماغ سے کام کرکے اور اپنا پیٹ بھر کے دکھائیگا۔ لیکن جب انہوں نے اُسے صرف بکواس کرتے ہی دیکھا۔ اور اس کی باتیں اُن کی سمجھ میں کچھ نہ آئیں۔ تو وہ ایک ایک کرکے وہاں سے کھسکنے شروع ہوئے۔ مگر چار جاتے تھے۔ تو دو نئے آجاتے تھے اور حیرت سے اُس کے مُنہ کی طرف تکتے ہوئے اس امر کے منتظر تھے۔ کہ اب بھی یہ دماغ سے کام کرکے دکھائیگا۔ مگر وہاں تو صرف زبان کی لپا پہی تھی ۔

جو لوگ راجہ کے پاس سے سب حال معلوم کرنے آئے تھے۔ جب وہ واپس گئے۔ اور راجہ نے اُن سے پوچھا۔ کہ "مہاتما نے دماغ سے کام کرکے دکھلایا؟" تو انہوں نے کہا۔ کہ "وہ تو صرف باتیں بنا رہا ہے۔ کام کاج تو کچھ بھی نہیں کرتا"

غرضیکہ جنٹلمین ادھرم راج کو اسی طرح بھوکے پیاسے بکواس کرتے کئی گھنٹے گزر گئے۔ اور لوگوں نے اس خیال سے کہ وہ دماغ سے کام کرکے پیٹ بھر لیگا۔ اس کے کھانے پینے کی بات بھی نہ پوچھی۔ آخر لیکچر دیتے دیتے بھوک کے مارے اس کا دم پھول گیا۔ اور وہ پاؤں لڑکھڑا کر دھڑام سے سر کے بل چبوترے سے نیچے آ رہا۔ جس سے اُس کا سر پھوٹ گیا *

لوگ سمجھے۔ کہ اب مہاتما دماغ سے کام کرنے لگا۔ چنانچہ محلوں میں فوراً خبر پہنچائی گئی۔ راجہ کھیتوں میں کام کرنے گئے تھے۔ رانی نے جاکر راجہ دھیر سنگھ کو اطلاع کی۔ وہ بھاگے بھاگے آئے۔ دیکھا۔ کہ اس کا سر پھٹ گیا ہے اور خون بہ رہا ہے۔ کہنے لگے۔ کہ "بیچارہ سچ کہتا تھا۔ کہ دماغ سے بہت کام کرنے سے سر پھٹ جاتا ہے۔ چنانچہ اس کا بھی سر پھٹ گیا ہے"*





10

